سہ ماہی

# پیشوا انٹرنیشنل لندن

مذہبی، سیاسی، معاشرتی، ادبی، طبی اور سائنسی سرگرمیوں کا ترجمان

اردو زبان میں لندن سے گزشتہ دس برس سے مسلسل شائع ہونے والا منفرد، بین الاقوامی سہ ماہی رسالہ

جلد 10۔شمارہ 4۔اکتوبر تا دسمبر 2022ء۔زیر ادارت: رانا محمد حسن خاں

2. London road Morden Surrey SM4 5BQ. UK

E.mail. peshwaltd@gmail.com

# RH DREAM EVENTS LIMITED

**TEL: 020 3674 7909** **MOB: 077 9299 8973**

- Venue Hire
- Decoration
- Catering
- Cutlery & Crockery
- Service Staff

BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER

Package Price

- Event Management
- Cinematic Videography
- Photography
- DJ-Dhoolchi
- Chauffeur Service

2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey
Tel. 020 3674 7909 - Mob. 077 9299 8973 (Mon-Fri 10:00 - 17:00)
Email: info@rhacs.co.uk - Web: www.rhdreamweddings.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

چیف ایڈیٹر رانا محمد حسن خاں

نائب ایڈیٹر محمد ثاقب رشید مارکیٹنگ مینیجر رانا عبدالصمد خاں سرورق محمد سلیم انصاری

خصوصی تعاون آر۔ایچ ایکسیڈنٹ کلیم سروسز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

## اس شمارہ میں


| | | | |
|---|---|---|---|
| آیت قرآن الحکیم۔حدیث النبیؐ۔مشعل راہ | 2 | پھیکی چائے | 34 |
| اداریہ ''نیا سال ۲۰۲۳ء بے حد مبارک ہو'' | 3 | ہومیو پیتھک نُسخہ جات | 35 |
| مذہب بیزاری اور منافقت کی تاریخی وجوہات | 5 | شمائل نبوی ﷺ | 37 |
| اعتزاز احسن صاحب کچھ بھول رہے ہیں | 12 | آوارگانِ دشتِ خار (قسط 30) | 40 |
| سعادت حسن منٹو کے پانچ اقوال | 14 | جہالت اور تعصب کا پردہ، اسلام کے جھنڈے کے نیچے، سب سے بڑ اتفرقہ، بلا تبصرہ، میرے پاؤں پکڑ لیے!!، صفاتی انبیاء!!، آدمؑ کی شریعت میں بہن سے نکاح!!، پورے نظام کو بلاسٹ کر دیا!! | |
| یونان میں دس روز: سفرنامہ (2) | 15 | | |
| جینا مجھے دشوار تھا! | 20 | | |
| ''حضرت محمد ﷺ کا عشق قرآن'' | 23 | | |
| ''اک بچے نے مجھ سے پوچھا ہے کہ آپ کا کمرہ کیسا ہے'' | 24 | قائداعظمؒ کا پیغام سیکولر عناصر کے نام! | 44 |
| ''اسلامی ترقیات کی سرخیل یقیناً ذاتِ محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ہے'' | 25 | شعر و شاعری: طاہر احمد بھٹی، منیر باجوہ، نیلم رباب صاحبہ، بشارت سکھی صاحبہ، ڈاکٹر طارق انور باجوہ، حسن رانا، فیض احمد فیض | 46 |
| بچھڑے ہوئے ساتھ!! | 31 | | |


PESHWA MAGAZINE INTERNATIONAL

E-mail. peshwaltd@gmail.com

2.London road Morden Surrey SM4 5BQ. UK

قیمت فی شمارہ ... سالانہ ممبرشپ فیس برطانیہ 14 پاؤنڈ یورپ 18 یورو آسٹریلیا و امریکہ 25 پاؤنڈز

www.peshwa.co.uk

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

**القرآن الحکیم:** وَ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِاَرۡبَعَۃِ شُہَدَآءَ فَاجۡلِدُوۡہُمۡ ثَمٰنِیۡنَ جَلۡدَۃً وَّ لَا تَقۡبَلُوۡا لَہُمۡ شَہَادَۃً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۔ ترجمہ: وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے تو انہیں اَسّی کوڑے لگاؤ اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یہی لوگ ہیں جو بدکردار ہیں۔ (سورۃ النّور آیت ۵)

**حدیث النبی ﷺ:** عن عائشۃ قالت: لمّا نزل عذری قامَ ا النبی ﷺ علی المنبر فذکر ذالکوتل۔ تعنی القرآن ۔فلما نزل من المنبر امر بالرجلین و المراۃ فضربواحد ھم۔ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب میری براءت کی آیات نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور اس واقع کا ذکر کیا اور قرآن کی آیات تلاوت فرمائیں۔جب منبر سے نیچے اترے تو آپ ﷺ نے دو مردوں اور ایک عورت کے متعلق حکم دیا اور انہیں حد لگائی گئی۔(سنن ابو داؤد۔جلد۴۔کتاب الحدود۔حدیث ۴۴۷۴) اگلی حدیث جو محمد بن اسحاق سے مروی ہے میں ہے کہ ''رسول ﷺ نے دو مردوں اور ایک عورت کو جو اس تہمت میں شریک تھے، کے متعلق (حد لگانے کا) حکم دیا۔یعنی حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ۔نفیلی نے کہا کہ عورتوں میں حمنہ بنت جحش کا ذکر کرتے ہیں۔'' (تہمت کی حد ۸۰ کوڑے ہیں)

**مشعل راہ:** ''اصل بات یہ ہے کہ سب سے مشکل اور نازک مرحلہ حقوق العباد ہی کا ہے کیونکہ ہر وقت اس کا معاملہ پڑتا ہے اور ہر آن یہ ابتلا سامنے رہتا ہے۔پس اس مرحلہ پر بہت ہی ہوشیاری سے قدم اٹھانا چاہئے۔میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی حد سے زیادہ سختی نہ ہو۔بعض لوگ چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اس کی تخریب اور بربادی کے لئے سعی کی جاوے پھر وہ اس فکر میں پڑ کر جائز اور ناجائز امور کی بھی پروا نہیں کرتے۔اس کو بدنام کرنے کے واسطے جھوٹی تہمت اس پر لگاتے، افترا کرتے اور اس کی غیبت کرتے اور دوسروں کو اس کے خلاف اکساتے ہیں۔اب بتاؤ کہ معمولی دشمنی سے کس قدر برائیوں کا اور بدیوں کا وارث بنا اور پھر یہ بدیاں جب اپنے بچے دیں گی۔'' تو پھر ایک کے بعد دوسری برائی آتی ہے جس طرح بچے دیئے جاتے ہیں ایک بدی دوسرا بچہ پیدا کر دیتی ہے۔جب اپنے بچے دیں گی ''تو کہاں تک نوبت پہنچے گی۔''

''اولاد کا ابتلا بھی بہت بڑا ابتلا ہے۔اگر اولاد صالح ہو تو پھر کس بات کی پرواہ ہو سکتی ہے۔خدا تعالےٰ خود فرماتا ہے۔**وھویتولی الصالحین** ۔یعنی اللہ تعالےٰ آپ صالحین کو متولی اور متکفل ہوتا ہے۔اگر بد بخت ہے تو خواہ لاکھوں روپیہ اس کے لیے چھوڑ جاؤ۔وہ بدکاریوں میں تباہ کر کے پھر قلاش ہو جائے گی۔اور ان مصائب اور مشکلات میں پڑے گی جو اس کے لیے لازمی ہیں۔جو شخص اپنی رائے کو خدا تعالےٰ کی رائے اور منشا سے متفق کرتا ہے وہ اولاد کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے اور وہ اسی طرح پر ہے کہ اس کی صلاحیت کے لیے کوشش کرے اور دعائیں کرے۔اس صورت میں خود اللہ تعالےٰ اس کا تکفل کرے گا۔اور اگر بدچلن ہے تو جائے جہنّم میں۔اس کی پرواہ تک نہ کرے۔'' (ملفوظات جلد ۸۔صفحہ ۱۰۵، ۱۰۹۔مرسلہ اناثمرین۔لندن)

اداریہ

# ”نیا سال ۲۰۲۳ء بے حد مبارک ہو“

معزز قارئین پیشوا انٹرنیشنل اور دنیا بھر میں بسنے والے انسانوں کو نیا سال ۲۰۲۳ء بے حد مبارک ہو۔اللہ تعالیٰ اس نئے سال میں تمام انسانوں کو وباؤں، جنگوں، ناانصافیوں، خودغرضیوں اور دیگر برائیوں کی دلدل سے نکلنے کی توفیق عطا فرمائے۔اس وقت بظاہر یہی دیکھائی دیتا ہے کہ انسانوں کی اپنے رب سے دوری دنیا کو مزید دلدل میں دھنسائے گی۔ساری دنیا میں اس وقت معاشی حالات ابتر سے ابتر ہوتے ہی چلے جارہے ہیں اگر یہ سلسلہ کچھ عرصہ اور جاری رہا تو بیماریوں اور جنگوں کے نتیجے میں مرنے والے انسانوں سے بہت بڑھ کر بھوک سے انسانوں کے مرنے کا حقیقی خطرہ پیدا ہو جائے گا۔اسی طرح موسمیاتی تبدیلیوں کے باعث دنیا تباہی کی جانب تیزی سے بڑھ رہی ہے۔سال ۲۰۲۲ء میں موسمیاتی تبدیلیوں نے جو تباہی پھیلائی تھی اس سے زیادہ تباہی اس سال متوقع ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ فوری طور پر موسمیاتی تبدیلیوں کا باعث بننے والے تمام عوامل کو روکا جائے۔اللہ کرے کہ ترقی یافتہ ممالک ہوش کے ناخن لیں۔

سال ۲۰۲۲ء میں ہمارا پیارا وطن اسلامی جمہوریہ پاکستان سیاسی و معاشی عدم استحکام کا شکار رہا۔کہا جاتا ہے کہ جب سے عمران خان کی بقول بلاول بھٹو سلیکٹڈ حکومت کے خاتمے کے بعد بقول عمران خان امپورٹڈ حکومت آئی ہے تب سے ملکی حالات سنگین رخ اختیار کرتے ہی چلے جا رہے ہیں۔اگر بغور دیکھا جائے تو صاف دکھائی دے گا کہ اگر اس سنگین صورتحال کے سیاستدان سو فیصد ذمہ دار ہیں تو ایک ہزار فیصد جنرل باجوہ گروپ ذمہ دار ہے۔سیدھی سی بات ہے کہ جنرل باجوہ نے اپنی مدت ملازمت میں ناجائز توسیع کے چکر میں ملک کو نہ ختم ہونے والے چکروں میں ڈال دیا ہے۔کاش جنرل باجوہ ملکی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے باعزت طریقے سے بغیر توسیع لیے گھر چلے جاتے۔کتنی عجیب بات ہے کہ جنرل باجوہ، عمران خان کو وزیراعظم دیکھنا چاہتے تھے اور پھر فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ عمران خان نے جنرل باجوہ کو توسیع دینے کے وعدے پر اُن کے ساتھ مل کر نازک سی حکومت بنائی جنہیں وہ اپنی تقریروں میں ڈاکو، غدار اور چپڑاسی کہتے تھے۔جب سپریم کورٹ نے توسیع کو غیر آئینی قرار دے دیا تو عمران خان نے اپنا وعدہ وفا کرنے کے لیے قانون سازی کی اور جنرل باجوہ کو تین برس کے لیے توسیع مل گئی۔جب تین برس گزر گئے تو جنرل باجوہ اور عمران خان کے تعلقات جرنیلوں کی تعیناتی اور مزید توسیع کے معاملے پر خراب ہو گئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ عمران خان کو وزیراعظم ہاؤس چھوڑنا پڑا اور اتحادی جماعتیں وزیراعظم ہاؤس پر قابض ہو گئیں۔اس جرنیلی اور سیاسی اکھاڑ پچھاڑ اور قدرتی آفات نے ملک کو مہنگائی اور دہشت گردی کے بھنور میں پھینک دیا ہے۔اگر ملک دیوالیہ ہو گیا تو اللہ نہ کرے ملک کا وجود بھی خطرے میں آسکتا ہے۔سچ یہی ہے کہ ملک کو اس حالت تک پہنچانے والا جنرل باجوہ، عمران خان گٹھ جوڑ ہے۔دونوں بے عہدہ ہو چکے ہیں مگر قوم ان کی کرتوتوں کے نتائج نجانے کب تک بھگتے گی۔اللہ تعالیٰ ارباب اختیار اور عوام کو عقل سلیم دے۔آمین یارب العالمین۔

نئے سال کی نسبت سے جناب جوہر رحمانی صاحب کی ایک خوبصورت نظم پیش خدمت ہے۔

# ”نئے روز و شب سب کو ہی راس آئیں“

نئے سال کی یوں خوشی ہم منائیں
کہ روٹھے ہوؤں کو گلے سے لگائیں

گئے سال کے سارے غم بھول جائیں
نیا سال آیا نئے گل کھلائیں

ستاروں سے دھرتی کا دامن سجائیں
نظاروں کو تصویر جنت بنائیں

رہے راج دھرتی پہ اب شانتی کا
نہ چھائیں کہیں جنگ کی اب گھٹائیں

مٹانا ہے ہم کو کدورت دلوں سے
ہر اک سمت سے آئیں بس یہ صدائیں

ہمیں پاسباں کل بنیں گے وطن کے
کریں عہد جو بھی وہ کر کے دکھائیں

نیا سال یا رب مبارک ہو سب کو
نئے روز و شب سب کو ہی راس آئیں

نئے سال کی یوں کریں پیشوائی
غموں کو بھلا کر فقط مسکرائیں

اسی گلستاں کے ہیں سب پھول جوہرؔ
کھلیں مسکرائیں ہنسیں اور ہنسائیں

جوہرؔ رحمانی

## توجہ فرمائیں

پیشوا ادارہ کا کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق نہیں ہے۔ پیشوا ادارہ تمام سیاسی و مذہبی شخصیات کا تہہ دل سے احترام کرتا ہے مگر ان کے غلط نظریات اور افکار کو بیان کرنے کی قارئین کو اس غرض سے اجازت دیتا ہے تا کہ متذکرہ شخصیات اپنی اصلاح کر سکیں۔ اگر کوئی شخص سمجھے کہ اسے غلط طور پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے تو وہ بھی حق رکھتا ہے کہ وہ بھی ناقدین کی اصلاح کے لئے اپنا موقف پیش کرے اور ادارہ ایسے مضامین کو شائع کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ ادارہ پیشوا بلا تفریق مذہب و ملّت خدمت کا دعوے دار ہے۔ سبھی رسالہ میں اپنے افکار اور خیالات کا اظہار کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ادارہ پیشوا اُن تمام قلمکاروں کو دعوت دیتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ وہ لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ادارہ اپنے قارئین کی آراء اور مشوروں کا منتظر ہے۔ معزز قارئین کی تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا اور قارئین کی آراء پر نا صرف غور کیا جائے گا بلکہ قابل عمل تجاویز پر عمل بھی کیا جائے گا۔ انشاءاللہ۔

(چیف ایڈیٹر پیشوا انٹرنیشنل۔ لندن)

# مذہب بیزاری اور منافقت کی تاریخی وجوہات

(تحریر: رانا محمد حسن خاں)

اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ انسانوں میں مذہب بیزاری و منافقت کی وجوہات کیا ہوسکتی ہیں؟ سادہ الفاظ میں ان وجوہات کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ جب مذاہب کے کرتا دھرتا دین کی اصل تعلیمات کو بھلا کر گلے سڑے افکار، نا قابل یقین فضول عقائد اور فرسودہ و بیہودہ رسومات کا طوق مذاہب کے گلے میں ڈال کر انہیں مضحکہ انگیز بنا دیتے ہیں تب مذہب بیزار لوگوں کی تعداد بڑھنے لگتی ہے۔ بے شمار مذہبی لوگ جو مذاہب پر یقین رکھتے ہیں وہ بھی، نا قابل یقین فضول عقائد کو تسلیم نہیں کرتے مگر وہ اپنی بیزاری کا اظہار کرنے کی ہمت بھی نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نام نہاد مذہبی رہنما عقائد کے خلاف بات کرنے والوں کا جینا حرام کر دیتے ہیں۔ یہی غلطی ہر اک مذہب میں موجود ہے۔ یعنی ہر مذہب میں تاریک کنوئیں موجود ہیں اور ان میں بیٹھے مذہبی مینڈک نہ روشنی سے خود لگاؤ رکھتے ہیں اور نہ اپنے مریدوں پر روشنی کا گزر ہونے دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو بھی مرید روشنی دیکھ لیتے ہیں وہ اندھیروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ روشنی دیکھ لینے والے اپنے ساتھیوں کو بھی بتاتے ہیں کہ روشنی میں ہم صاف دیکھ سکتے ہیں۔ مگر ان کی اکثریت صاف کہہ دیتی ہے کہ ''خود تو اندھے ہو گئے ہو اب ہمیں بھی اندھا کرنا چاہتے ہو'' سچ یہی ہے کہ مذہبی تاریک کنوئیں ہی ہیں جن کی وجہ سے مذہب بیزاروں کی تعداد دنیا بھر میں بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ بڑی اور کم تعداد رکھنے والے مذاہب بھی بڑی تیزی کے ساتھ برف کی طرح گھل کر چھوٹے ہوتے جا رہے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جین مذہب کے ماننے والوں کی اکثریت دہریہ ہو چکی ہے۔ سب سے بڑے مذہبی گلیشیئر یعنی مذہب عیسائیت کے پگھلنے کی رفتار بھی بہت تیز ہو چکی ہے۔ فرانس، برطانیہ اور دیگر بہت سارے مغربی ممالک میں بھی دہریت نے عیسائیت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مذہب اسلام کے دنیا میں تیزی سے بڑھنے کا ذکر بھی تواتر سے ہو رہا ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ مسلم ممالک میں آبادی کی بڑھوتری نا قابل کنٹرول ہو چکی ہے، ذرا اندازہ تو لگائیے بھوک اور بیماریوں سے اور جنگوں اور حادثوں میں بے شمار لوگوں کے مرنے کے باوجود مسلم آبادی ہے کہ کم ہونے میں آتی ہی نہیں۔ مثال کے طور پر وطن عزیز جب معرض وجود میں آیا تو مغربی پاکستان کی آبادی پونے چار کروڑ تھی اب چوبیس کروڑ ہو چکی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جتنے نئے لوگ اسلام قبول کرتے ہیں اتنے ہی اسلام چھوڑ بھی دیتے ہیں۔ سو فیصد غیر مسلم پرامن، روحوں کی پیاس بجھانے والی اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے ہیں مگر اسلام قبول کرنے کے بعد جب اسے پتا چلتا ہے کہ ''ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں'' تو وہ بدک جاتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ فرقہ بندیوں نے ہی ہمیشہ مذاہب کی وحدت کو پارہ پارہ کیا ہے۔ جس طرح عیسائی، ہندو اور دیگر مذاہب کے کرتا دھرتاؤں نے اپنے اپنے مذاہب کے ماننے والوں کی گردنوں میں ''مرتد کی سزا، سر تن سے جدا'' لکھے طوق ڈال کر دائروں کے اندر بٹھا دیا تھا ویسا ہی اب نام نہاد مسلمان علماء کر رہے ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ عیسائیت کے روحانی اور مادی اندھے پن کا آغاز کب ہوا اور مکمل اندھے پن کے بعد مادی آنکھ کیونکر چمک اٹھی۔ (یہ مادی روشن آنکھ خلا کی وسعتوں اور زمین کی گہرائیوں میں بھی دیکھ سکتی ہے) اور مسلمانوں کے زوال کا سبب کیا تھا، اور آج تک ان کی روحانی اور مادی آنکھ بند کیوں ہے؟

دیگر بہت سارے عوامل کے ساتھ سفاک عیسائیت کا زوال تب شروع ہوا تھا جب مارٹن لوتھر 1483ء تا 1546ء نے روم سے واپس جرمنی آ کر کہا تھا کہ ''روم تو طوائفوں کا اڈا ہے'' لوتھر کے پاپائیت کے خلاف مہم چلانے

پر ۱۵۲۱ء پوپ نے دینی حکم جاری کرتے ہوئے اسے مرتد قرار دے دیا۔ شاہی فرمان جاری ہوا کہ اس کے خیالات غیر قانونی ہیں اور اس کو جلانے کا حکم جاری کیا جاتا ہے۔کیتھولک چرچ جو کئی صدیوں سے من مرضیاں کر رہا تھا لوتھر کی اصلاح پسند تحریک کے نتیجے میں کیتھولک اور پروسٹینٹ چرچ میں تقسیم ہو گیا۔ یہاں تک کہ برطانیہ بھی ۱۵۳۴ء میں روم کے چرچ سے الگ ہو گیا۔اور سولہویں صدی عیسوی ہی میں گلیلیو کو وہ حقیقت بیان کرنے سے روک دیا گیا تھا جو عیسائی مذہب سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔عیسائی عقیدے کے مطابق زمین ساکن ہے۔زبور کے باب ایک کی آیت ۹۳ میں ہے کہ ''زمین حرکت نہیں کرتی''۔مشہور اٹلی کے فلسفی، ریاضی دان ماہر فلکیات گلیلیو (۱۵ فروری ۱۵۶۴ء تا ۸ جنوری ۱۶۴۲ء) نے اپنی ایجاد کردہ دوربین کی مدد سے دیکھ لیا تھا کہ ہر سیارہ زمین سمیت سورج کے گرد گھوم رہا ہے اور وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ زمین کائنات کا مرکز نہیں ہے مگر جب عدالت نے دھمکی دی کہ اگر وہ ایسی بات کہنے سے باز نہیں رہ سکتا تو برونو Giordano Bruno کی طرح مرنے کے لیے تیار ہو جائے تو اس نے اپنی جان بچالی۔جب اس کے شاگرد نے کہا کہ جو آپ نے کہا تھا وہ تو حقیقت تھا اس پر گلیلیو نے جو تاریخی جواب دیا وہ یہ تھا کہ میرے حقیقت کو جھٹلا دینے سے زمین کی حرکت بند نہیں ہو جائے گی۔Giordano Bruno بھی ایک فلسفی، ریاضی دان اور ماہر فلکیات تھا اسے کیتھولک چرچ نے عیسائی عقائد جیسے کہ تثلیث، جہنم، کرسٹولوجی اور دیگر عقائد سے انکار پر سزائے موت سنائی تھی۔اسے زندہ جلا دیا گیا تھا کیونکہ جس طرح منگول، قید کیے جانے والے قیدی بادشاہ کے خون کا زمین پر گرنا بدشگونی سمجھتے تھے اور قالین میں لپیٹ کر گھوڑے کے سموں سے مارتے تھے اسی طرح کیتھولک چرچ بھی بدعتیوں کا لہو زمین پر گرنا برا سمجھتے تھے بوجوہ اس کے بدعتی کو زندہ جلا دیتے تھے۔چرچ نے اسی دور میں کم از کم چھ افراد کو عقیدے کے اختلاف پر زندہ جلایا تھا۔سچ تو یہ ہے کہ اس دور میں مذہب کی ستائی ہوئی انسانیت سسک رہی تھی، تڑپ رہی تھی، مر رہی تھی۔

جس وقت عیسائی دنیا چرچ کے بدترین مظالم کا نشانہ بن رہی تھی اس وقت علمی طور پر نسبتاً مسلمان بہت بہتر حالت میں تھے۔علمی طور پر اگر دیکھا جائے تو عربوں نے یونانی کتب کا ترجمہ کر کے انہیں عام کیا اور مسلمان یونانی کتب کے صرف مطالعہ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ نت نئے تجربات شروع کیے جس کے نتیجے میں بے شمار ایجادات ہوئیں۔خلافت عباسیہ کے دور کو علم دوست دور سمجھا جاتا ہے۔جس وقت بغداد میں کتابوں کے ڈھیر لگے تھے اس وقت سارے یورپ میں کل پانچ سو کتابیں تھیں جو چرچوں میں پڑی تھیں۔

آیئے چلتے ہیں اصل موضوع کی طرف یعنی مسلمانوں کا زوال کیوں ہوا؟ جس طرح عیسائیت ایک ہزار فرقوں میں بٹ کر لہولہان ہوئی تھی بالکل اسی طرح مسلمانوں کے فرقے بھی باہم دست و گریباں تھے۔عقائد کے اختلاف نے انہیں پارہ پارہ کر دیا، سائنسی اور فلسفیانہ خیالات بدعت قرار دے دیئے گئے، ایسے ایسے بدعقائد کو اسلام قرار دیا گیا جنہیں سرسری طور پر بھی اسلامی عقائد قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔عقائد کے اختلاف پر بے شمار لوگ قتل کر دیے گئے۔مسلمانوں میں بھی عیسائیت کے بدترین دور میں ہی عقائد کے اختلاف پر سزا دینے کا رواج شروع ہو گیا تھا۔اسی دور میں ابوعبداللہ امام مالک بن انسؓ نے ۹۳ھ تا ۱۹۷ھ حق کی حمایت میں قید و بند اور کوڑے کھائے۔ابوعبداللہ امام مالک بن انسؒ پر اس قدر ظلم کیا گیا کہ پچیس برس تک جمعہ و نماز باجماعت کے لیے باہر نہ نکل سکے۔ذلّت کے ساتھ قید کیے گئے۔ایسی بے رحمی کے ساتھ لوگوں نے ان کی مشکیں باندھیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا۔ اونٹ پر کھڑا کر کے پھرایا گیا۔اور ایک مسئلہ سے انکار کرنے کی وجہ سے ستّر کوڑے مارے گئے اور قید رکھے گئے۔امام شافعیؒ ۱۵۰ھ تا ۲۰۴ھ ۷۶۷ء تا ۸۲۰ء جو حضرت امام مالکؒ کے شاگرد رہے۔محمد بن ادریس شافعیؒ کو موذیوں نے ''**اخسر من ابلیس**'' (شیطان سے بڑھ کر مضرّت رساں) کہا اور رافضی نام رکھا۔یمن سے بغداد تک بے عزّتی کے ساتھ قید کر کے بھیجے گئے۔ راہ میں لوگ اُنہیں گالیاں دیتے جاتے تھے۔امام ابوحنیفہ ۸۰ھ تا ۱۵۰ھ ۶۹۹ء تا ۷۶۷ء۔کو کم بختوں نے جاہل، بدعتی، زندیق، کافر تک کہا۔خلیفہ وقت نے کئی دفعہ عہدہ قضا پر مامور کیا مگر انکار کر دیا اس حدیث کی بناء پر کہ:

"من جعل قاضیا فقد ذبح بغیر سکین" جو شخص قاضی بنا دیا گیا وہ بدون چھری سے ذبح کر دیا گیا۔ قید خانے میں قید کر کے آپؒ سے اینٹ گننے کا کام لیا گیا۔ آخر کو وہ قید خانے ہی میں زہر دیئے گئے۔ امام احمد بن حنبلؒ ۱۶۴ھ تا ۲۴۱ھ ۷۸۰ء تا ۸۵۵ء کو بھی بے حد ستایا گیا بغداد کے معتزلہ نے ہنگامہ کھڑا کر کے چاہا کہ آپ کسی طرح یہ تسلیم کر لیں کہ قرآن مخلوق ہے اور اس سلسلہ میں دربار خلافت سے سخت سزائیں دی گئیں حتیٰ کہ جس وقت آپؒ کو ایک ہزار کوڑے لگائے جا رہے تھے تو آپؒ کا کمر بند کھل گیا اور دو غیبی ہاتھوں نے کمر بند باندھا۔ (تذکرۃ الاولیاء) حضرت امام احمد بن حنبلؒ ۲۸ ماہ قید رہے۔ بھاری بھاری زنجیریں اُن کے پاؤں میں ڈالیں گئیں۔ ذلیل کرنے کے لیے مجلسوں میں بلائے گئے اور لوگ اُن کو طمانچے مارتے اور منہ پر تھوکتے۔ ہر شام کو جیل خانہ سے نکال کر کوڑے مارے جاتے۔ چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں ڈالی گئیں، اِسی عالم میں بغداد سے طرطوس لے چلے اور حکم دیا گیا بلا کسی کی مدد کے خود ہی اُونٹ پر سوار ہوں اور خود ہی اُونٹ سے اُتریں، بوجھل بیڑیوں کی وجہ سے ہل نہیں سکتے تھے، اُٹھتے تھے اور گر پڑتے تھے، عین رمضان میں بھوکے پیاسے جلتی دھوپ میں بٹھائے گئے پیٹھ پر لگاتار کوڑے مارے گئے۔ خلیفہ کہتا تھا کہ قرآن مخلوق ہے آپؒ فرماتے تھے کہ قرآن مخلوق نہیں۔ (بحوالہ تذکرہ از ابوالکلام آزاد) حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ اپنے وطن سے نکالے گئے۔ جب سمرقند پہنچے تو سمرقند والے بھی اِس بات پر راضی نہ ہوئے کہ وہ سمرقند میں رہیں۔ تو آپؒ نے تہجد کی نماز میں دُعا کی کہ خُداوند دُنیا اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی ہے تُو اب مجھ کو اپنی طرف بُلا لے۔ پس انہوں نے اُسی ماہ میں انتقال فرمایا۔ حضرت بایزید بسطامی شہر بسطام سے سات مرتبہ نکالے گئے۔ سلطان العارفین حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ کی بھی تکفیر کی گئی۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کو نا صرف کافر بلکہ اکفر کہا گیا بلکہ علماء زمانہ نے یہ فتویٰ دیا کہ اِن کا کُفر یہود و نصاریٰ کے کُفر سے بڑھ کر ہے۔ اس پر بھی صبر نہ کیا بلکہ ان کے کل ماننے والوں کو کافر قرار دیا۔ پھر بھی دل کی ٹھنڈک نہ ہوئی۔ تب یہ لکھا کہ جو ان کے کُفر میں شک کرے وہ کافر اور پھر جو کُفر میں شک کرنے والے کے کُفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔ حضرت مولوی جلال الدین رومیؒ: مولانا جامیؒ اور شیخ فرید الدین عطارؒ کو کافر کہنے والے مسلمان سوترہ میں ابھی تک موجود ہیں۔ حجتہ الاسلام مولانا ابو حامد غزالیؒ: مُصنّف احیاء العلوم الدین و کیمیائے سعادت کافر ٹھہرائے گئے اور اُن کی کتابوں کو جلا دینا اور اُن پر لعنت کرنا ثواب سمجھا گیا۔ ایک شخص نے امام غزالیؒ کو لکھا کہ آپؒ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے اُس کے جواب میں حضرت نے لکھا، کہ "حاسدوں کی باتوں پر خیال نہ کر اور جاہلوں کے لعن طعن سے رنجیدہ مت ہو۔ اے برادر! ذلیل جان اُس آدمی کو جس کا لوگ حسد نہ کریں اور حقیر سمجھ اُس شخص کو جس کو لوگ کافر اور گُمراہ نہ سمجھیں۔" آپؒ کو ستّر شہروں سے شہر بدر کیا گیا۔ (بحوالہ البدر ۱۸۔۱۱ مارچ ۲۰۱۰ء)

امام غزالی اور ابن رشد کے درمیان مذہب اور فلسفہ کی آخری علمی لڑائی لڑی گئی۔ امام غزالی نے کتاب "تہافتہ الفلاسفہ" لکھی جس میں سقراط، ارسطو اور دیگر یونانی مفکرین کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا اور مسلمان فلسفیوں کو جو ان کی راہ اختیار کیے ہوئے تھے انہیں اسلام کی روح بگاڑنے والا قرار دیا گیا تھا۔ (ڈاکٹر احید حسن۔ مضامین ڈاٹ کام۔ ۲۹ دسمبر ۲۰۱۷ء) امام غزالی نے اپنی اس کتاب میں فلسفہ کے ان مسائل کا رد کیا ہے جنہیں وہ شریعت سے متصادم سمجھتے تھے۔ ان کی تنقید کا نشانہ فارابی، ابن سینا، الکندی بھی بنے۔ امام غزالی کو بھی جیسا بیان کیا جا چکا ہے کہ کافر اور لعنتی قرار دینے والے بھی موجود تھے ان دنوں مذہبی اور سیاسی رسہ کشی نے مسلمانوں کو تنزلی کی جانب پوری طرح گامزن کر دیا ہوا تھا۔ بغداد میں جب باطنیوں نے نظام الملک اور ملک شاہ کو قتل کر دیا تو امام غزالی نے باطنیہ، امامیہ اور اسماعیلیہ مکتبہ فکر کے خلاف متعدد کتابیں لکھیں۔ امام غزالی کے نظریات کی جھلک فتاویٰ رضویہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ بلا شبہ امام غزالی کی کتب احیاء العلوم الدین و کیمیائے سعادت بے نظیر کتابیں ہیں۔ تصوف پر لکھی گئیں کتابیں بھی زبردست ہیں۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ امام غزالی کی وفات کے چند دہائیوں بعد اندلس کے شہر قرطبہ میں پیدا ہونے والے علم و فن کے آخری تاجدار پر کیا گزری؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ اندلس علم و ہنر کا مرکز تھا یہ اندلس ہی تھا، دو پاپائے روم نے بھی یہیں تعلیم حاصل کی تھی۔ ابن رشد (۵۲۰ھ) کا خاندان

اندلس کے معزز ترین خاندانوں میں شمار ہوتا تھا، کئی پشت سے اس کے افراد قاضی بنتے چلے آ رہے تھے۔ نوعمری ہی میں ابن رشد نے حدیث، فقہ اور علم و ادب میں کمال حاصل کیا۔ بعد ازاں اندلس کے سب سے بڑے طبیب ابو جعفر سے علم طب سیکھا۔ ابن باجہ سے علوم فلسفہ پر دسترس حاصل کی۔ اندلس میں اس دور میں جتنے علماء وفضلاء تھے ابن رشد نے ان کی شاگردی اختیار کی تھی۔ ۵۴۸ھ میں ابن رشد کو موحدین کے پہلے بادشاہ عبدالمومن نے ارسطو کی کتب کی شروع وحواشی لکھنے کا حکم دیا۔ اندلس میں بھی بلاد مشرق کی طرح فلسفہ کے جانی دشمن تھے فلسفی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور سمجھا جاتا تھا کہ فلسفہ داں گمراہ ہوتے ہیں۔ سیاسی مصلحت کے باعث سلاطین بھی ان فتویٰ بازوں کا ساتھ دیتے تھے۔ حکم بن ناصر اور یوسف کے سوائے کوئی ایسا بادشاہ نہیں گزرا جس نے فلسفیوں کا جینا حرام نہ کیا ہو۔ اندلس میں مسلمان فلسفیوں کو زندیق کہا جاتا، مارا پیٹا جاتا اور بعض اوقات انہیں سنگسار کر دیا جاتا یا زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ یہاں یہ بتانا ضروری لگتا ہے کہ قارئین کو بتایا جائے کہ ابن شد نے ایک بار کہا تھا کہ Anyone who studies anatomy will increase his faith in the omnipotence and oneness of God the Almighty. ابن رشد تمام اسلامی عبادات اور رسومات کی پابندی فرض منصبی سمجھتا تھا۔ وہ نہایت باحیا، نہایت رحم دل (اس قدر تھا کہ کبھی کسی مجرم سزائے موت نہیں سنائی) ،کم سخن، حد درجہ پاک باز اور پابند صوم وصلوٰۃ تھا، پانچوں وقت کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کرتا تھا۔ رسول کریم ﷺ کو خاتم النبیین دل وجان سے تسلیم کرتا تھا۔ اس نے ایک بار کہا تھا کہ every prophet is philosopher but not every philosopher can be a prophet.

(بحوالہ کتاب ابن رشد از زکریا ورک۔ صفحہ ۲۸)

ابن رشد کے خلاف بھرپور مہم چلانے کے بعد بادشاہ المنصور کے جب علماء نے کان بھرے کہ ابن رشد کے عقائد خلاف شریعت ہیں تو یعقوب المنصور نے ابن باجہ، ابن طفیل اور ابن رشد سمیت سب فلسفیوں کو دربار سے نکال باہر کیا اور ان کی کتب کو جلا دینے کا حکم دیا۔ یہ بھی حکم دیا کہ اس قسم کی خطرناک تعلیم کی ممانعت کر دی جائے۔ بھرے مجمع میں اسے بلا کر مشرک، ملحد اور گمراہ قرار دے کر ابن رشد کو ایک یہودی بستی الیسانہ میں قید کیا گیا، اسے یہودی کہا گیا، اس کے منہ پر تھوکا گیا اور اس کی کتابیں جلا دی گئیں۔ ابن رشد نے خود کہا تھا کہ مجھے سب سے زیادہ تکلیف مجھے اس وقت ہوئی جب زمانہ اخراج میں مجھے اور میرے بیٹے عبداللہ کو جامع مسجد قرطبہ میں نماز پڑھنے نہ دی گئی، میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد سے باہر نکال دیا گیا۔ تین برس زیر عتاب رہنے کے بعد اس شرط پر اسے رہائی ملی کہ وہ جامع مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلانیہ طور پر غلطی کا اعتراف اور توبہ کرے۔ اس نے اس شرط کو مان لیا اور برہنہ سر مسجد کے دروازے پر نماز ختم ہونے تک کھڑا رہا۔ المنصور نے اس کے لیے معافی نامہ جاری کر دیا اور کچھ عرصہ بعد اسے مراکش میں قاضی بنا کر بھیج دیا۔ مگر ابن رشد بہت جلد مراکش میں فوت ہو گیا۔ تین مہینے بعد اس کی ہڈیوں کو تابوت میں بند کر کے مراکش سے قرطبہ لے جایا گیا۔ ابن عربی نے یہ نظارہ دیکھا تھا کہ گدھے کے ایک جانب تابوت تھا اور دوسری طرف ابن رشد کی کتابیں لدی تھیں۔

ابن رشد پر ایک الزام یہ تھا کہ اس نے قدیم مصنف کے یہ الفاظ نقل کیے تھے کہ ''ناہید (زہرہ) خدا ہے۔'' اور عاد قوم کا انکار۔ عورتوں کے امامت کرانے کو جائز قرار دیا، خواتین کا حکمراب بننا بھی جائز قرار دیا، حقوق نسواں کے لیے آواز بلند کی۔ بالغ خواتین کو بغیر ولی کے نکاح کی طرف داری کی اور ابن رشد نے عیسائی مذہب کے ابن رشد اور دوسرے فلسفیوں پر سختی دیکھ کر اندلس کے لوگوں نے علوم فلسفہ کو خیر باد کہہ دیا۔ آج تک امت مسلمہ غور وفکر چھوڑ کر ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے۔ اس آخری لڑائی میں امام غزالی بظاہر جیت گئے مگر اس جیت نے امت مسلمہ کی کامیابی، سرفرازی اور ترقی کی ہر شاہراہ بند کر دی۔ 'امام غزالی کی کتاب' تہافتہ الفلاسفہ' جیت گئی اور غور وفکر کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ مگر ابن رشد کی کتاب ''تہافتہ التہافتہ'' ہار کر بھی بازی جیت چکی

ہے وہ اس طرح سے کہ ''تہافتہ التہافتہ'' کے مصنف ابن رشد کی کتابوں سے فائدہ اٹھانے والے مریخ تک جا پہنچے اور ان سے فائدہ نہ اٹھانے والوں پر زمین تنگ سے تنگ ہوتی جا رہی ہے اور مغربی اقوام کو امن وسکون سے جینا سکھا دیا اور فائدہ نہ اٹھانے والے آج تک بدامنی، فتنہ فساد اور مذہبی جنگ وجدل جیسے منحوس ماحول میں جی رہے ہیں۔ عیسائی مخالفت کرنے والوں نے امام غزالی کے دلائل کو بھی اپنی کتب میں جگہ دی ہے، یہودیوں نے ابن رشد کی کتب سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ عیسائی دنیا نے بھی مسلمانوں کی طرح ابن رشد کو آسانی سے قبول نہیں کیا، ڈومینکن فرقہ فلسفہ عرب کے ماہر ابن رشد اور اس کے شاگردوں کو زندیق اور ملحد سمجھتا تھا اس فرقہ کے ایک شخص نے جو کتاب لکھی اس میں پیروؤں کو بے دین اور گمراہ قرار دیا ۱۲۱۵ء میں رابرٹ ڈی کارسن نے فتویٰ جاری کیا کہ ''ارسطو، ابن سینا اور دیگر فلسفیوں کی کتابیں پڑھنا پڑھانا حرام ہے۔'' اسی فرقے کے ایک شاعر گریگوری نہم نے حکم دیا کہ ''عرب فلسفہ پڑھنا قطعاً موقوف کر دیا جائے۔'' جہاں مغرب میں فلسفہ ابن رشد کے رد میں کتابیں لکھی گئیں وہیں اس کی کتابوں کے تراجم دھڑا دھڑ ہونے لگے ۔ وہاں فلسفہ ابن رشد کے رد میں کتابیں لکھنے لگے۔ Dante نے بھی دنیا کے ذہین ترین لوگوں کا Divine comedy میں مذاق اڑایا ہے ۔ ڈیوائن کامیڈی میں دانتے دوزخ کے حصے (Limbo) میں ایسے لوگوں کو دکھاتا ہے جو نصرانیت سے پہلے گزر چکے ہیں۔ جن میں جولیس سیزر، سقراط، افلاطون، آرفیوس وغیرہ جبکہ ظہور اسلام کے بعد کی کچھ شخصیات جنھوں نے اپنی قابلیت، ذہانت اور فہم سے علم اور تمدن کی آبیاری کی جن میں ابن سینا، ابن رشد، اقلیدس، جالینوس اور صلاح الدین ایوبی شامل ہیں۔

ابن رشد کی مخالفت آج تک کسی علم دوست نے نہیں کی، مسلمان، عیسائی مذہبی علماء نے ہی اس سے دشمنی کی۔ ابن رشد قرآن کریم، حدیث، فقہ کو خوب سمجھتا تھا۔ ابن رشد کو مؤطا مالک حفظ تھی، اسے ابو تمام اور متنبّی کا دیوان بھی حفظ تھا۔ جب ابن رشد نے امام غزالی کی کتاب کا جواب لکھا تو اس میں امام غزالی کی نسبت کہتا ہے کہ ''یہ مرتد فلسفہ، یہ احسان فراموش، اس نے تمام معلومات کو کتب ہائے فلسفہ سے اخذ کیا اور پھر انہیں بنیادوں کو لے کر ان پر جھک پڑا جو خود ان سے عاریتاً لے گیا تھا۔ غزالی نے اس لیے فلسفہ پر حملہ کیا ہے کہ اہل مذہب کو خوش کر سکے۔ اس کے ''تہافتہ الفلاسفہ'' لکھنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس کی دماغی ترکیب اپنی جگہ سے ہٹ کر بالکل اوندھی ہو گئی تھی۔ یا اس کی خواہش تھی کہ علمائے مذہب جو اسے شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے تھے، راضی کر لیا جائے۔ (غزالی نے ایک عرصے تک مذہب سے دوری اختیار کیے رکھی تھی، ادھر دھر پھرتے رہے تھے۔) علمائے مذہب ہمیشہ ہی سے فلاسفہ کے دشمن رہے ہیں اس لیے اس نے تہیہ کیا کہ پہلے ہی سے ان کی نفرت کے مقابلہ کے لیے اپنے واسطے ایک جگہ محفوظ کر لے۔'' (یاد رہے امام غزالی نے فلسفہ بھی پڑھا تھا۔ پھر تصوف کی طرف ان کا رجحان ہوا۔ انہیں اسی پر مشقت تصوف کا بانی کہا جاتا ہے جس پر علامہ اقبال نے لفظی بمباری کی ہے۔)

(بحوالہ ابن رشد و فلسفہ ابن رشد صفحہ ۱۶۷)

ابن رشد کا سب سے بڑا جرم اس کا نظریہ صداقتین (Two Truths) ٹھہرایا گیا۔ اس نظریے کی رو سے صداقتیں دو ہیں اور وہ ہیں مذہبی صداقت اور فلسفیانہ صداقت۔ ابن رشد کے مطابق ان صداقتوں کو متوازی صداقتوں کی حیثیت سے قبول کر لینا چاہیے اور ان کو باہم خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ اسی نظریے کے ایک پہلو پر عمل کر کے یورپ اور دیگر مغربی ممالک میں مذہبی تنگ نظری کو دفن کر کے مادی بیش قیمت عمارت تیار کی ہے۔ روحانی سنہری عمارت تعمیر نہ ہونے کی وجہ مذہب کے کرتا دھرتاؤں کا قول وعمل میں تضاد اور خدا تعالیٰ کی معرفت نہ ہونا ہے۔ ابن رشد کا یہی نظریہ اگر مسلمان آج بھی اپنا لیں تو کم از کم علم و دانش اور ترقی کی شاہرہ جو صدیوں سے بند ہے کھل سکتی ہے، مذہبی گھٹن سے نجات مل سکتی ہے۔۔ مکالمہ میں جناب اعجاز الحق اعجاز کا مضمون ابن رشد کا مجسمہ کے نام سے چھپا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں: ''اس نظریہ سے مذہبی راسخ العقیدگی کے مقابلے میں سائنس و فلسفہ کو مغرب میں زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ کولٹن کے نزدیک یہ ابن رشد کی اثر انگیزی اس زمانے میں ویسی ہی تھی جیسی ہمارے دور میں ڈارون کی ہے۔ ابن رشد کا فلسفہ پیرس کی یونی ورسٹیوں میں نصاب کا خصوصی حصہ تھا۔ خاص طور پر جامعہ پادوا (Padva)

ابن رشد کے فلسفے پر بحث ومباحثے کا مرکز تھی۔ یہ فلسفہ عیسائی راسخ العقیدگی کے خلاف اتنا بڑا خطرہ بن کر ابھرا کہ پیرس کونسل کو ابن رشد کی کتابوں کو ممنوع قرار دینا پڑا۔ مگر اس فلسفے کے آگے بند باندھنا ممکن نہ تھا۔ رینان اپنی کتاب ''ابن رشد اور ابن رشدیت'' Averroism&Averroes میں لکھتا ہے کہ سولہویں صدی کے لگ بھگ یہ فلسفہ ایک طرح سے اطالیہ کا سرکاری فلسفہ بن کر سامنے آیا۔''

عصر حاضر میں مذاہب کی حالت بدترین ہو چکی ہے۔ اگر مغرب میں دہریت بڑھ رہی ہے تو مشرق میں منافقت پھیلتی ہی چلی جارہی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مذہب اور فلسفہ (اس میں سبھی علوم شامل ہیں) جب تک ہاتھ نہیں ملاتے تب تک دہریت اور منافقت انسانی روح کو زخمی کرتے رہیں گے۔ دنیا میں جتنے بھی علوم ہیں وہ معرفت الٰہی میں اضافہ کرتے ہیں۔ معرفت الٰہی جس قدر بڑھتی جاتی ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے محبت بھی بڑھتی چلی جارہی ہے۔

خبر ہے کہ برطانیہ اور ویلز کی نصف سے زائد آبادی لامذہب ہو چکی ہے۔ یعنی برطانیہ میں دہریت اول نمبر پر، دوسرے نمبر پر مسلمان اور عیسائیت تیسرے نمبر پر چلی گئی ہے۔ بعض لوگ دہریت کو جہالت سمجھ کر نفرت کرتے ہیں مگر حقیقت کچھ اور ہی ہے، دہریے عام طور پر بے حد ذہین ہوتے ہیں، جدید علوم سے بھی آراستہ ہوتے ہیں اور مذاہب عالم کے عقائد بھی جانتے ہیں۔ عیسائیت نے دنیا کو کیا دیا؟ اس سوال پر ذرا سا تدبر کرنے سے بھی دہریوں کا مسئلہ سمجھ آ سکتا ہے۔ آج کا انسان تثلیث، کفارہ اور دیگر قصے کہانیوں کو کسی صورت نہیں مان سکتا۔ آج کا انسان جانتا ہے کہ چرچ کی اجارہ داری کے دور میں انسانیت کی کس طرح تذلیل کی گئی تھی، طویل مذہبی جنگیں لڑ کر اخلاقیات کا جنازہ نکالا گیا تھا، بھوتوں اور چڑیلوں کو کس طرح استعمال کیا گیا، خواتین کو اس قدر ذلیل کیا گیا کہ وہ خود کو جانور سے بھی برتر سمجھتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ خواتین کے گلے میں رسی ڈال کر منڈیوں میں فروخت کے لیے لایا جاتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ آج کا انسان نہیں چاہتا کہ اس کی گردن چرچ دوبارہ دبوچ لے۔ یہی وجہ ہے سارا یورپ ہی لامذہب ہونا پسند کرتا ہے۔ لامذہب ہوتے ہی مذہبی عقائد ورسومات کا طوق گلے سے اتر جاتا ہے۔ عجیب بات یہ بھی ہے کہ اکثر دہریے خدا پر یقین بھی رکھتے ہیں۔ یہ عیسائیت کی بہت بڑی ناکامی ہے کہ وہ عیسائی افراد کو مطمئن نہیں کر پائی۔ پادریوں کے پاس دہریوں کے کسی سوال کا جواب نہیں ہے، اگر ہوتا تو دہریت اس تیزی سے نہ پھیلتی۔

جاتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ آج کا انسان نہیں چاہتا کہ اس کی گردن چرچ دوبارہ دبوچ لے۔ یہی وجہ ہے سارا یورپ ہی لامذہب ہونا پسند کرتا ہے۔ لامذہب ہوتے ہی مذہبی عقائد ورسومات کا طوق گلے سے اتر جاتا ہے۔ عجیب بات یہ بھی ہے کہ اکثر دہریے خدا پر یقین بھی رکھتے ہیں۔ یہ عیسائیت کی بہت بڑی ناکامی ہے کہ وہ عیسائی افراد کو مطمئن نہیں کر پائی۔ پادریوں کے پاس دہریوں کے کسی سوال کا جواب نہیں ہے، اگر ہوتا تو دہریت اس تیزی سے نہ پھیلتی۔

مسلمانوں کی حالت بھی کم تشویش ناک نہیں ہے۔ اکثر اسلامی ممالک میں اسلام قبول کر کے چھوڑنے والوں کی سزا سزائے موت مقرر ہے اس لیے کسی بھی اسلامی ملک میں دہریت بڑھنے کی رفتار انتہائی کم ہے مگر منافقت آسمان کو چھو رہی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں مرتد کی سزا موت کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی مگر یہ تعلیم موجود ہے کہ منافق، کافر سے بدتر ہوتا ہے۔ مرتد کی سزا موت قرار دینے کی غیر اسلامی وجہ بھی یہ خوف ہے کہ کہیں مسلمان دہریہ نہ ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سبھی فرقے بالکل اسی نوعیت کے جھگڑوں میں مبتلا ہیں جن کا آغاز بغداد میں عباسیوں اور اندلس میں امویوں کے دور میں ہوا تھا۔ کتا کنوئیں میں گر جائے تو اس میں سے پانی کی کتنی بالٹیاں نکالی جائیں کہ باقی ماندہ پانی وضو کے قابل ہو جائے۔ یہ وہ اہم ترین سوال تھا جو اس دور کے علماء کی توجہ کا مرکز تھا، شہادت کی انگلی کاٹنے کا فتویٰ دیا گیا، ایک دوسرے کی مساجد میں جانا جرم تھا، آمین زیر لب کہنا یا بالجہر کہنا ممنوع تھا، قرآن کے مخلوق

**نوٹ:** کسی بھی مضمون نگار کے خیالات سے ادارہ پیشوا انٹرنیشنل کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

وغیر مخلوق کہنے پر قتل کر دیا جاتا اور گھروں کو جلا دیا جاتا۔ مخالفانہ نظریات نا قابل برداشت تھے۔ امام اشعری، امام رازی اور امام غزالی نے اس ڈر سے کہ کہیں عقلیت پسند اسلامی عقائد، اسلامی تعلیمات کے لیے خطرہ نہ بن جائیں ہر قسم کے فلسفہ کی مخالفت کی، ہر فلسفی تحریک کو بدعتی یا الحاوی (یعنی راہ راست سے ہٹ جانے والے) قرار دے دیا گیا۔ صوفی ازم نے بھی اسی دور میں بے حد اثر رسوخ قائم کیا۔ جہاں تمام معروف صوفیاء کرام کا اللہ تعالیٰ سے مستقل تعلق پیدا ہوا و ہاں ایسے صوفی بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کے بنیادی اصولوں سے کلیتہً اپنا تعلق توڑ لیا ان کے لیے رسمی عبادات بیکار محض تھیں۔ اس طبقہ میں جلد ہی نشہ کی لت اور موسیقی نے راہ بنا لی۔ سچ تو یہ ہے کہ مسلمان روحانی اور علم و آگہی کے چشمے سے بہت دور جا پڑے تھے۔ علم و دانش کے آخری چراغ ابن رشد نے مسلمانوں کی راہنمائی کرنے کی کوشش کی تھی مگر اسے بھی کافر، زندیق، بے دینی کے خطاب دے کر اس سے ذلت آمیز سلوک کیا گیا۔ ابن رشد کا یہ دعویٰ تھا کے علم الکلام کی بنیاد قرآن مجید ہے۔ اس نے تمام مسائل کا حل قرآن کریم کو قرار دیا۔ اس نے بتایا کہ ''تاویل اور نصوص کے متعلق غلطیوں سے بچنے کا صرف ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ اپنے مزعومہ اصول و دلائل کے بجائے ہر مسئلہ میں قرآن مجید کو حکم قرار دیا جائے۔ یعنی یہ دیکھا جائے کہ قرآن مجید کس طرح اور کس حد تک کسی خاص عقیدہ کی تشریح کرتا ہے۔ اور اس پر کس طرح دلیلیں قائم کرتا ہے۔'' مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ قرآن مجید سے دوری ہے۔ اسی دوری نے مسلمانوں کی اکثریت کو منافقت و جہالت کا چوغہ پہنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیتا ہے۔ مسلمانوں میں شرک کس قدر سرایت کر چکا ہے سب جانتے ہیں۔ صرف جھوٹ ہی کو دیکھ لیجیے، بے دریغ خاص و عام شب و روز بولتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جھوٹ بولنے والوں پر لعنت ڈالی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے سو فیصد دور ہو کر خانقاہوں اور مزاروں کو پرستش گاہ بنا رکھا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اکثر مسلمان ایک خدا کو مانتے ہیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی بات نہیں مانتے۔ جب بھی دہریت اور منافقت بہت بڑھ جاتی ہے تب اللہ تعالیٰ نبی مبعوث فرماتا ہے۔ اب بھی دہریت اور منافقت کا علاج صرف اور صرف نبی ہی کر سکتا ہے، اسی لیے اسلام سمیت ہر بڑا مذہب عصر حاضر میں ایک نبی کا منتظر ہے۔ یہ فیج عوج کا زمانہ ہے، اس میں وہی بچ سکتا ہے جو الٰہی حکم کے تحت تیار کی گئی کشتی نوح میں سوار ہو جائے گا۔

---

## ''رہنا سدا تو میرا ہمدرد مولا''

(کلام: محترمہ ناصرہ منیرہ صاحبہ)

دُور کر میرا تو ہر درد مولا
میں ہوں تیرا اِک عاجز فرد مولا

مرض میرا کچھ نہیں تیرے آگے
لپٹ گئی ہے اِک چادر زرد مولا

حواس میں رکھنا قائم مجھے ہر دم
کھو نہ دوں کہیں ہوش و خِرد مولا

مرض نہیں کوئی ایسا بھی جہاں میں
مانگے ہے شفاء ہر عورت و مرد مولا

حبس میں بھی ہے تیری جلوہ گری
حسیں ہے ہر رُت گرم و سرد مولا

برساتا ہے ابرِ کرم اس وقت جب
اُڑتی ہے خشک موسم میں گرد مولا

نصیب ہو سدا کامیابی و کامرانی
بنائے رکھنا مجھے تُو نَرد مولا

راضی برضا رہنا عاصی منیرہ پہ تُو
رہنا سدا تو میرا ہمدرد مولا

# اعتزاز احسن صاحب کچھ بھول رہے ہیں

نجم الثاقب کاشغری

گزشتہ دنوں نواز شریف اور ان کی بیٹی مریم نواز کی ایک مقدمے میں بریت پر پیپلز پارٹی کے بانی رکن بیرسٹر چوہدری اعتزاز احسن صاحب نے ایک بیان کیا دے دیا، میڈیا کی عدالت میں اپنی صفائی پیش کرنا پڑ گئی۔ کیونکہ افواہیں گردش کرنا شروع ہوگئی تھیں کہ چوہدری صاحب پی ٹی آئی میں یا تو خود اور یا اپنے بیٹے کو شامل کروا کر سینیٹ کا ٹکٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور یا یہ کہ وہ اگلے الیکشن کے اعلان ہونے کے بعد پی ٹی آئی کی طرف سے بطور نگراں وزیر اعظم امیدوار بننا چاہتے ہیں۔ اور یا پھر یہ کہ وہ پی ڈی ایم کی موجودہ اتحادی صفوں میں دڑار ڈالنے کے کسی سولو فارمولے پر کار فرما ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اپنی پریس کانفرنس میں ان تمام افواہوں کی تردید کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے یہ بات خاص طور پر زور دے کر کہی کہ وہ پیپلز پارٹی میں ہیں اور رہیں گے کیونکہ تین بڑی ملکی سیاسی پارٹیوں میں سے پیپلز پارٹی وہ واحد جماعت ہے جو ملکی سیاست میں مذہب کا کارڈ استعمال نہیں کرتی۔

آپ کا یہ دعویٰ سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ یقیناً پیپلز پارٹی (بلکہ پاکستان) کی تاریخ میں سے کچھ (بلکہ بہت کچھ) آپ بھلا چکے ہیں اور یا پھر آپ بھولے بن رہے تھے۔

کون نہیں جانتا کہ پیپلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو نے پارٹی کے اصل اور مقبول ترین نعرے ''روٹی کپڑا اور مکان'' کو بدل کر ''اسلام ہمارا دین ہے اور جمہوریت ہماری سیاست ہے'' اور اسی طرح اپنے متعارف کردہ سوشلزم کو ''اسلامی سوشلزم'' کا نام دے دیا تھا۔ تاکہ آپ کی سیاست اور سلوگن ازم کو ''اسلامی ٹچ'' دے کر اس وقت کی مذہبی سیاسی جماعتوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔

جی ہاں! چوہدری صاحب، اور یہ آپ کے ''ہر دلعزیز'' چیئرمین بھٹو ہی تھے جنہوں نے ملکی تاریخ میں پہلی بار آئین پاکستان کو تکفیری عمل سے روشناس کروایا، اور محض کرسی کی خاطر ایک مخصوص جماعت سے تعلق رکھنے والے ہزاروں لاکھوں پاکستانیوں کو آئین پاکستان کی اساس سے متصادم ایک ترمیم کے ذریعے ان کے شہری حقوق آزادی مذہب، آزادء افکار اور آزادی اظہار رائے سے محروم کر دیا۔ یوں سیاست میں مذہب کا کارڈ کچھ اس طرح سے کھیلا جس کی مثال نہیں ملتی۔

اس کے بعد نہ صرف وہ خود بلکہ ان کی صاحبزادی محترمہ بینظیر بھٹو بھی ہمیشہ اپنی تقاریر میں ''نوے سالہ قادیانی مسئلہ'' کے اس ''حل'' کو فخریہ بیان کرتی رہیں۔ اور اس پر چوہدری صاحب موصوف کو نہ تو کبھی اعتراض ہوا اور نہ ہی کبھی اپنا احتجاج ریکارڈ کروایا۔

آئین پاکستان کو محض سیاسی مقاصد کے حصول کی غرض سے ایک ''تکفیری آلہ'' میں تبدیل کرنے کے ناقابل تلافی نقصانات ریاست کو بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ عالمی سطح پر جگ ہنسائی، اور تنقید تو ایک طرف رہی، مذہبی دہشتگردی کا قلع قمع کرنے کی بجائے اس کے فروغ کی راہ ہموار کر دی گئی، جس کا سہرا پیپلز پارٹی کے سر سے کبھی بھی اتارا نہیں جا سکتا۔ کنور خلدون شاہد نے اپنے ایک مقالہ میں بالکل درست تجزیہ پیش کیا تھا کہ ''جب کوئی ریاست دباؤ میں آ کر محض اختلافی نظریات کی بنیاد پر ایک مسلمان فرقہ کو خارج از اسلام اور زندیق قرار دے ڈالے تو اس کا منطقی نتیجہ ایک ایسے سلسلہ یعنی ''چین ری ایکشن'' کو جاری کر دینا ہوتا ہے جس کا اختتام ایک انتہائی تنگ نظر مخصوص برانڈ کے اسلام کی بالادستی اور اس کے دوام و استحکام پر ہی ہوتا ہے۔''

شدت پسند جہادی تنظیمیں ''تکفیر'' یعنی کسی فرد یا گروہ کو غیر مسلم قرار

دینے کے اصول اور عمل کو بنیاد بنا کر کام کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان تنظیموں کی دہشت گردی کا نشانہ زیادہ تر مسلمان ہی بنتے ہیں۔ وہ مسلمان جو ان کی وضع کردہ ''مسلمان'' کی تعریف پر پورا نہیں اترتے، ان کا شکار ہو جاتے ہیں۔

جب تک پاکستان کا آئین ''تکفیر'' کے اس عمل کا شراکت دار بنا رہے گا، یہ ریاست ''جہادی آئیڈیالوجی'' (یعنی مذہب کے نام پر کی جانے والے دہشت گردی) کو چیلنج کرنے کا دعویٰ کبھی بھی نہیں کر پائے گی''۔

(دِی ڈِپلومیٹ (The Diplomat) اشاعت 15 دسمبر 2016ء)

حقیقت تو یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کو اس کے بانی چیئر مین بھٹو صاحب نے جو مذہبی کارڈ گھٹی میں گھول کر پلایا تھا، اس کے بغیر اب وہ گلی کوچوں کی سطح کی سیاسی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینے کے قابل نہیں رہی۔

قارئین کرام کی دلچسپی اور محترم چوہدری صاحب اور ان کے ہمنواؤں کی کھوئی ہوئی یادداشت بحال کروانے کے لئے ایک عدد انتخابی بینر کی فوٹو پیش کی جارہی ہے جو سنہ 2021 کے ضمنی الیکشن حلقہ این اے 133 میں پیپلز پارٹی کے امیدوار چوہدری محمد اسلم گل کی انتخابی مہم کے لیئے تیار کیا گیا تھا۔

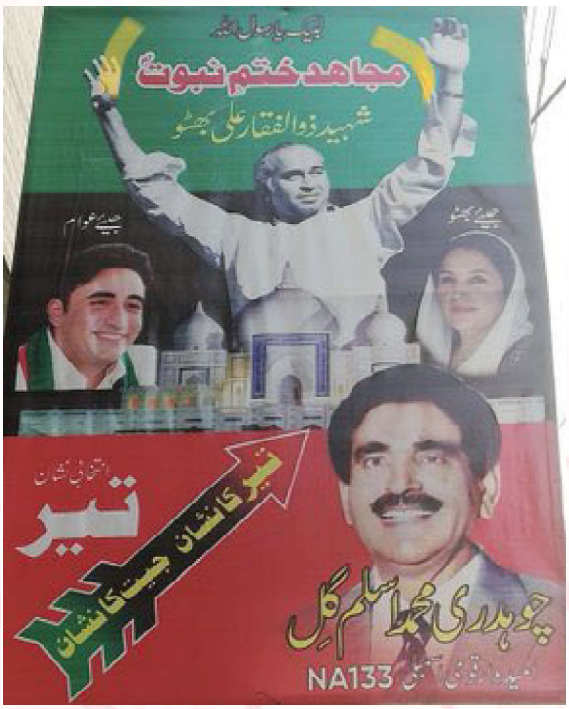


اس انتخابی بینر کی عبارات ملاحظہ ہوں:

''لبیک یارسول اللہ''

''مجاہد ختم نبوت شہید ذوالفقار علی بھٹو''

''جیئے بھٹو'' ۔ ''جیئے عوام''

اس پوسٹر کے حوالہ سے تبصرہ کرتے ہوئے دنیا نیوز میں کالم نگار عبدالکریم صاحب نے لکھا:۔

''آپ دیکھیں ہمارے سیاستدان کس قدر منافقت کی سیاست کرتے ہیں، کوئی اور مذہبی کارڈ استعمال کرے وہ برا سمجھا جاتا ہے۔ اگر ہمارے سیاستدان خود مذہبی کارڈ کا استعمال کریں وہ ان کے لیے حلال ہو جاتا ہے۔ آپ پیپلز پارٹی کی منافقت دیکھیں کہ کس طرح ایک مذہبی جماعت کے نعرے کو استعمال کیا، ایک ایسی مذہبی جماعت جس کو پیپلز پارٹی ایک قاتل جماعت کہتی ہے جس مذہبی جماعت نے مذہب کی آڑ میں ملک میں ریاست کی رٹ کو چیلنج کیا۔ ریاست کے ساتھ پھڈا کیا۔ ریاست کی پولیس کے جوانوں کو شہید کیا جس کو پیپلز پارٹی ایک اچھا عمل نہیں سمجھتی لیکن اس کے باوجود بھی پیپلز پارٹی نے اس مذہبی جماعت کے نعرے کو اپنے الیکشن مہم کا حصہ بنایا ہے۔ کیونکہ پیپلز پارٹی کو ہر صورت میں الیکشن جیتنا تھا، پیپلز پارٹی کے نمائندے نے ایک باقاعدہ پوسٹر بنوایا جس میں بھٹو صاحب کی بڑی تصویر کے ساتھ نعرہ لکھا ہوا ہے ''لبیک یارسول اللہ، مجاہد ختم نبوت، شہید ذوالفقار علی بھٹو'' یہ پوسٹر سوشل میڈیا پر نظر آیا۔

کیا یہ سیاسی منافقت نہیں، آپ تو سیاست میں مذہبی نعروں کے خلاف ہیں۔ آپ تو کہتے ہیں مذہب کو سیاست سے الگ رکھا جائے لیکن کیونکہ آپ نے ضمنی الیکشن جیتنا تھا۔۔ نظریہ ضرورت کے تحت پیپلز پارٹی نے ایک مذہبی بینر بنایا جس میں بھٹو صاحب کی تصویر لگائی گئی یہ نعرہ لگایا گیا ''لبیک یا رسول اللہ، مجاہد ختم نبوت، شہید ذوالفقار علی بھٹو'' یہ پیپلز پارٹی کی منافقانہ سیاست ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا، یعنی ہمارے سیاستدان اپنی ذاتی سیاست کو چمکانے کے لیے کس بھی حد تک جا سکتے ہیں اس کا مطلب ہے

پیپلز پارٹی نے ماضی سے کچھ نہیں سیکھا۔

اب اگلا الیکشن مذہب کی آڑ میں لڑا جائے گا، کیا ہماری سیاست کو مذہبی رنگ میں رنگا جا رہا ہے؟ ہماری سیاسی جماعتیں ملک کو ایک بند گلی کی طرف لے کے جا رہی ہیں جس میں سوائے انتشار کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں لوگ مذہبی جنونی ہیں، جب یہ لوگ سڑکوں پر نکل آتے ہیں پھر کچھ نہیں دیکھتے۔حتیٰ کہ انسانیت تک کو بھول جاتے ہیں۔ ہمارے سیاسی قائدین کو دیکھنا ہوگا کہ ملک میں انارکی نہ ہو، اب بہت ہو چکا، اس مسئلہ پر ہم سب کو ایک ہو کر سوچنا ہوگا ورنہ ہم ایک ایسے بحران کی طرف چلے جائیں گے جہاں سے واپسی بہت مشکل ہو جائے گی۔ملک میں انتشار لا قانونیت کا راج ہوگا، دنیا ہمیں منہ نہیں لگائے گی، ہم ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن جائیں گے، اللہ پاک ہمیں مذہبی انتہا پسندی سے بچائے ورنہ سانحہ سیالکوٹ جیسے واقعات ہر گلی، ہر محلے، ہر شہر میں ہونگے۔۔۔''۔

https://blogs.dunyanews.tv/urdu/?p=13287

حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان کی جملہ سیاست اب اس منافقانہ مذہبی رنگ میں مکمل طور پر رنگی جا چکی ہیاور ایک ایسے بحران کا شکار ہو چکی ہے جہاں سے واپسی بہت مشکل ہو جائے گی نہیں بلکہ ناممکن ہو چکی ہے۔اعتزاز احسن صاحب اور ان کے ہم خیال جیالے اپنے تیئں نجانے کس جنت میں بس رہے ہیں۔اسے سیانوں کی جنت تو بہر حال نہیں کہا جا سکتا۔ہاں اگر کسی کو بھولنے کا مرض لاحق ہو چکا ہے تو پھر بات اور ہے۔

☆☆☆

معزز قارئین! گزشتہ شمارہ میں محترم طارق مرزا صاحب کا کامن ویلتھ گیمز کے متعلق ایک مضمون چھپا تھا اس مضمون کا عنوان مکمل طور پر لکھنے میں کوتاہی ہوئی جس کے لیے ادارہ معذرت خواہ ہے۔مکمل عنوان درج ذیل ہے۔

''کامن ویلتھ گیمز 2022 میں آسٹریلیا کے 1000 گولڈ میڈل مکمل: منظر و پس منظر''

## سعادت حسن منٹو کے پانچ اقوال

☆ لیڈر جب آنسو بہا کر لوگوں سے کہتے ہیں کہ مذہب خطرے میں ہے تو اس میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ مذہب ایسی چیز ہی نہیں کہ خطرے میں پڑ سکے، اگر کسی بات کا خطرہ ہے تو وہ لیڈروں کا ہے جو اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے مذہب کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔

☆ پہلے مذہب سینوں میں ہوتا تھا آج کل ٹوپیوں میں ہوتا ہے۔سیاست بھی اب ٹوپیوں میں چلی آئی ہے۔زندہ باد ٹوپیاں!

☆ سیاست اور مذہب کی لاش ہمارے نامور لیڈر اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں اور سیدھے سادے لوگوں کو جو ہر بات مان لینے کے عادی ہوتے ہیں یہ کہتے پھرتے ہیں کہ وہ اس لاش کو از سر نو زندگی بخش رہے ہیں۔

☆ یہ لوگ جو اپنے گھروں کا نظام درست نہیں کر سکتے، یہ لوگ جن کا کیریکٹر بے حد پست ہوتا ہے، سیاست کے میدان میں اپنے وطن کا نظام ٹھیک کرنے اور لوگوں کو اخلاقیات کا سبق دینے کے لئے نکلتے ہیں۔۔۔کس قدر مضحکہ خیز چیز ہے!

☆ سیاسیات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔لیڈروں اور دوا فروشوں کو میں ایک ہی زمرے میں شمار کرتا ہوں۔لیڈری اور دوا فروشی، یہ دونوں پیشے ہیں۔دوا فروش اور لیڈر دونوں دوسروں کے نسخے استعمال کرتے ہیں۔

# یونان میں دس روز: سفر نامہ (2)

(تحریر: زکریا ورک ٹورنٹو)

ارسطو کی قدیم یونیورسٹی: لائی سی عم Aristotle's Lyceum: یونان کا شہرہ آفاق فلاسفر اور اور مشائیہ سکول Peripetatic school کا بانی ارسطو 384-322BC تھا۔ اسلامی دنیا میں اس کا تعارف ابن رشد کی ان تفاسیر سے ہؤا جو اس نے اس کی کتابوں کی تین قسم کی تفاسیر یعنی صغیر، وسط، اور کبیر لکھی تھیں۔ اس لئے یورپ میں ابن رشد کو ارسطوئے ثانی کا لقب دیا گیا تھا۔ ارسطو جب سترہ یا اٹھارہ سال کا تھا تو اس نے افلاطون کی اکیڈیمی میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور 37 سال کی عمر تک یہاں تحصیل علم کرتا رہا۔ ارسطو قریب بیس سال تک افلاطون کے زیر نگرانی تعلیم حاصل کرتا رہا مگر اس کے زیر نگرانی اپنے عظیم اور قابل احترام استاد کی فلسفیانہ منہاج کی شدید مخالفت کرتا رہا۔ اس نے پرواہ نہیں کی کہ افلاطون اس کا استاد ہے بلکہ جو اس نے سچ سمجھا اس کو علی الاعلان بیان کیا۔ اس کی اس قابل قدر تحقیقات اور تخلیقات ہی کا یہ ثمر ہے کہ اس کا نام لافانی ہو گیا۔ اس کی اس تنقیدی سوچ نے علم کی نئی راہیں دریافت کیں اور علم آگے کی طرف بڑھتا رہا۔

افلاطون کی وفات کی جلد بعد ارسطو نے میسے ڈونیا کی بادشاہ فلپ دوم Philip II of Macedon کی استدعا پر 343 قبل مسیح اسکندر اعظم کی ٹیوٹرنگ شروع کی۔ افلاطون کی اس شاگرد رشید نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا جیسے فزکس، بائیولوجی، زوآلوجی، منطق، اخلاقیات، اقتصادیات، شاعری، تھیٹر، میوزک، سائیکالوجی، سیاسیات، لسانیات، جیولوجی اور حکومت۔ اس کے نظریات نے عہد وسطیٰ کے یورپ پر گہرے اثرات مرتسم کئے۔ فزیکل سائنس میں تو اس کا اثر یورپ کی احیائے ثانی تک قائم رہا۔ عہد وسطیٰ میں 800-1400 اس کے فلسفیانہ نظریات نے یہودی اور مسلمان فلاسفروں اور دانشوروں نیز کرسچین تھیالوجی کو عمیق رنگ میں متاثر کیا۔ عہد وسطیٰ کے مسلمان سکالرز نے اس کو The First Teacher کا لقب عطا کیا تھا۔ منطق میں بھی اس کا اثر نیسویں صدی تک قائم رہا۔

اس نے ایتھنز میں ایک یونیورسٹی Lyceum کی داغ بیل ڈالی (یورپ میں آج کل سیکنڈری سکول) جس کی لائبریری نے اس کی بے شمار کتابوں کو papyrus scrolls پر شائع کر کے محفوظ کر دیا۔ ان لا زوال اور عظیم الشان کتابوں میں سے صرف ایک تہائی زمانے کے ہاتھوں خرد برد ہونے سے بچ سکی ہیں۔

آج جمعے کا روز تھا۔ امام صاحب کو فون کیا مگر فون نمبر تبدیل ہو چکا تھا۔۔ انٹرنیٹ سے ایڈریس لے کر ٹیکسی لی اور ہم مشن ہاؤس پہنچ گئے۔ خوش خصال اور خوش مزاج امام عطاء النصیر کے اقتداء میں نماز ادا کی۔ وہ یونان میں گزشتہ دس سال سے تبلیغ اسلام کا فریضہ احسن رنگ میں سر انجام دے رہے ہیں۔ عربی، انگلش، اردو کتابوں کی دلکش اور پر اثر کولیکشن تھی اور دل خوش ہو گیا کیونکہ ہماری دو تصانیف بھی شیلف پر موجود تھیں۔ تین اور کتابیں تحفے میں پیش کر دیں۔ امام صاحب سے سیر حاصل بات چیت ہوئی۔

نماز ادا کرنے کے بعد ہم نے ادھیڑ عمر ٹیکسی ڈرائیور کو Lyceum کا سٹریٹ ایڈریس دیا اور منزل مقصود کی جانب روانہ ہو گئے۔ کار کا GPS شاید پرانا تھا ڈرائیور بار بار سڑک کا نام بولتا تھا تا ڈائریکشن لے سکے۔ اللہ اللہ کر کے کوئی بیس پچیس منٹ کے بعد اس نے ہمیں اتار دیا اور کہا کہ کسی سے پوچھ لو

ایک صاحب نے کہا اس سمت میں جاؤ تو وہ جگہہ آ جائیگی۔ کچھ اور آگے گئے تو ایک صاحب سے راستہ پوچھا تو وہ اچھی انگلش بولتا تھا۔ کہا میرے ساتھ آؤ، کچھ ہی دور ہے۔ اس نے پوچھا کیا انڈیا سے آئے ہو۔ میرے مثبت جواب میں اس نے کہا ویلکم۔ سڑک پار کی تو سامنے لائی کیم کا گیٹ تھا۔ ٹکٹ دکھایا اور احاطہ میں داخل ہو گئے۔

آرکیالوجیکل سائٹ کے شروع میں ہی ایک سائن بورڈ نظر آیا جس کے اوپر لکھا تھا کہ اس جگہہ کی دریافت 1996 میں ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ کھدائی کے مختلف ادوار کی تصاویر دی گئیں تھیں۔ تین جگہہ پر مجھے تہ خانے نظر آئے جن کو کانچ کی چادروں سے ڈھکا ہوا تھا تا بارش یا طوفان سے مزید کوئی نقصان نہ پہنچے۔ یوں لگتا تھا کہ کھدائی کا کام ابھی بھی جاری ہے۔ درمیان میں ایک بڑی گراؤنڈ تھی جس میں متعدد کمروں کی پرانی فاؤنڈیشن تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ یہاں متعدد کلاس روم تھے۔ پرنسپل کا دفتر تھا۔ کوئی پانچ چھ افراد ہماری طرح سیاح نظر آئے۔ ہر طرف درخت ہی درخت تھے۔ دھوپ کی تمازت سے بچنے کیلئے ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھ گیا اور خیالات کی دنیا میں گم ہو گیا۔ یہ وہ تعلیمی ادارہ (یونانی Lykeion) ہے جس نے دنیا کے نظریات، خیالات، تصورات میں انقلاب برپا کر دیا۔ ایام جوانی سے ارسطو کا نام سنتے آئے تھے کہ کس طرح مسلمانوں نے 800-1000 کے عرصہ میں ہر علمی موضوع پر اس کی کتابوں کے یونانی سے تراجم کئے اور اسلامی دنیا میں احیائے ثانی کا آغاز ہوا۔ میں نے تمام علاقے کی متعدد تصاویر لیں جواب میرا سرمایہ حیات ہیں۔

**جزیرے کا سفر Aegina Island:** ایتھنز ایجئین سمندر Aegean Sea کی بندرگاہ ہے۔ تاریخی لحاظ سے ایجئین سمندر قدیم یونان کیلئے زبردست اہمیت کا تھا۔ یہ 380 میل لمبا اور 186 میل چوڑا ہے۔

آج جی میں آیا کہ پاس میں کوئی Beach یا ساحل سمندر ہو تو وہاں کی سیر کی جائے۔ ہوٹل کے فرنٹ ڈیسک نے ہمیں بتایا کہ اگر ہم Elliniko کی طرف جانیوالی میٹرو ٹرین لے کر Neos Kosmos سٹیشن پر اتر جائیں تو وہاں سے ٹرام (سٹریٹ کار) سے بیچ تک پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ ایک گھنٹے میں ہم بیچ Beach پر پہنچ گئے۔ ٹرام لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ مجھے بندر روڈ کراچی پر چلنے والی ٹرام یاد آ گئی جب میں ٹاور سے صدر تک آیا کرتا تھا۔ پھر زیورخ شہر کی ٹرام بھی یاد آئی جس کے ذریعہ میں نے 1970 کے شروع میں کئی مہینے سفر کیا تھا۔ ہر طرف لوگوں کا اژدھام تھا۔ بچے پانی میں والی بال کھیل رہے تھے۔ کچھ لوگ BBQ کر رہے تھے۔ اور کچھ یونہی ساحل سمندر پر چہل قدمی کر رہے تھے۔ پانی میں پاؤں رکھا تو شدید ٹھنڈا تھا۔ پھر ساحل کے پاس پانی میں پتھر بھی بہت تھے جن کے اوپر چلنا دشوار تھا۔ ایک خاتون انگلش میں اپنے شوہر سے گفتگو کر رہی تھی پوچھا کہاں سے ہو تو بتایا ٹیکساس مگر میرا شوہر جرمن ہے اور ہم وی آنا میں رہتے ہیں تا کہ دونوں خاندانوں سے ربط کم ہو۔ مگر بدقسمتی سے میرے سسر بھی اب وی آنا آ رہے ہیں۔

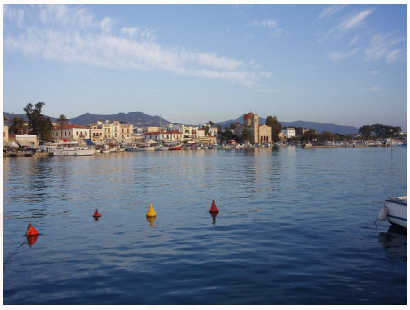

ہر کوئی خوش باش نظر آ رہا تھا۔ کھلی فضا کا اپنا ہی مزہ ہے اور سامنے دور تک نہ ختم ہونیوالا نیلا سمندر ہو تو مزا دوبالا ہو جاتا ہے۔ پانی سے آتی ہوئی نسیم دل اور روح کو فرحت بخشتی ہے۔ ماحول کا انسان پر اثر گہرا اور دیرپا ہوتا ہے۔ پھر بیچ کا خیال آتے ہی انسان کہہ اٹھتا: دل کے بہلانے کو غالب یہ کام اچھا ہے۔ آئس کریم کھائی اور کچھ دیر گھومنے کے بعد ٹرام اور میٹرو ٹرین لے کر ہوٹل واپس آ گئے۔

آج ہمارا Aegina Island جانیکا ارادہ تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ ہم Piraeus میٹرو سٹیشن پر اتر جائیں تو وہاں سے ہمیں جزیرے تک جانے کیلئے موٹر بوٹ، (کشتی) مل جائیگی۔ میٹرو سٹیشن سے باہر نکلے تو لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ جگہہ جگہہ پر ایسے سٹورز تھے جہاں سے جزیرے تک جانے کیلئے

آج ہمارا Aegina Island جانیکا ارادہ تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ ہم Piraeus میٹرو سٹیشن پر اتر جائیں تو وہاں سے ہمیں جزیرے تک جانے کیلئے موٹر بوٹ، (کشتی) مل جائیگی۔ میٹرو سٹیشن سے باہر نکلے تو لوگوں کا ایک ٹکٹ خرید سکتے تھے۔ٹکٹ تیس یورو تھا۔موٹر بوٹ نے دو بجے گیٹ نمبر 8 سے روانہ ہونا تھا اور واپسی چار بجے کی تھی۔دس منٹ چلنے کے بعد ہم اس جگہہ پہنچ گئے جہاں پر دیو قامت بڑے کروز والے بحری جہاز لنگر انداز تھے۔تھوڑی دیر بعد ہماری بوٹ اپنی مقررہ جگہہ پر آ گئی جس کے اوپر بڑے خوشنما حروف میں لکھاہوٗا تھا: Aegean Flying Dolphin۔کشتی پر سوار ہونے کیلئے کوئی سو کے قریب مسافر تھے۔ ہر ٹکٹ پر سیٹ نمبر لکھاہوٗا تھا اور لوگ اپنی اپنی سیٹوں پر جا کر براجمان ہو گئے۔عین وقت پر بوٹ روانہ ہوئی۔راستے میں پانی کی لہروں اور تھپیڑوں سے بل کھاتی یہ کشتی چالیس منٹ کے بعد جزیرے پر پہنچ گئی۔ساحل پر بے تحاشا ریستوران تھے جہاں انواع و اقسام کے لنچ کیلئے کھانے پیش کئے جا رہے تھے۔ہمیں دور سے بیچ نظر آئی اور وہاں پہنچ گئے۔کوئی ایک درجن کے قریب افراد پانی میں نہا رہے تھے۔بچوں کے ساتھ ان کے والدین تھے۔گرمی جوبن پر تھی اس لئے پارک میں ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھ گیا۔سمندر کا پانی پرسکون اور بڑا ہی دلفریب تھا۔حد نگاہ تک نیلے رنگ کا پانی۔قریب ہی آئس کریم کی دکان تھی وہاں سے آئس کریم لی اور اس سے لطف اندوز ہوٗا۔ پینے کیلئے پانی خریدا۔ جزیرے پر بھی ٹیکسیاں نظر آئیں۔سائیکل بھی کرایہ پر لے سکتے تھے۔

جب بھوک ستانے لگی تو ایک ریستوان پر لنچ کیلئے رک گئے۔ میں نے Lamb Chops اور گریک سلاد آرڈر کر دیا۔کھانا بہت مزیدار تھا۔یہاں یونان میں لوگ ٹماٹر بہت کھاتے ہیں اور ان کا سائز بھی سیب کے برابر ہوتا ہے۔کھانے میں لیموں بھی ضرور دیتے ہیں۔سلاد کے اوپر فیٹا Feta چیز ڈالاہوٗا تھا۔کھانے کے بعد جب پیسے دینے ریستوان کے اندر گیا تو ویٹر نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔میں نے جواب دیا کینیڈا۔اس نے کہا باہر ایک شخص بیٹھا ہے جو کینیڈا میں رہ کر اب یہاں رہتا ہے۔وہ شخص بڑی گرم دلی سے پیش آیا۔ اس نے پچیس سال لندن (اونٹاریو) میں ملازمت کی تھی اور اب جزیرے پر ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہا تھا۔ہم کینیڈا کی باتیں کرتے رہے کہ اس کے جانے کے بعد کیا کیا تبدیلیاں آئی ہیں۔اس ہنس مکھ، جہاں دیدہ یونانی سے مل کر طبیعت شاداں و فرحاں ہو گئی۔

کھانے کے بعد واک کے لئے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلتے گئے، ہر طرف کشتیاں ہی کشتیاں تھیں۔ ہر کوئی اپنے کام میں مگن مگر خوش نظر آتا تھا۔چار بج رہے تھے ہم متعینہ مقام پر پہنچ گئے جہاں Flying Dolphin Boat نے لنگر انداز ہونا تھا۔ واپس جانے کیلئے مسافر قدرے کم تھے۔ چالیس منٹ بعد ہم مین لینڈ پر اترے اور میٹرو سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک فروٹ والا نظر آیا اس سے سٹرابیری، اور سیب خریدے۔


## اعلان برائے اشتہارات

کاروبار کی ترقی کے لیے اشتہارات کی اشاعت عصر حاضر میں کاروباری حضرات کی اہم ضرورت ہے۔ادارہ پیشوا نہایت کم قیمت پر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حاضر ہے۔

A.4۔ فل سائز۔کلر۔£150 ہاف پیج۔کلر۔ £80 کوارٹر پیج۔کلر۔ £50

پیشوا میں اشتہارات شائع کروانے کے لئے درج ذیل فون نمبر پر رابطہ فرمائیں

رانا عبدالصمد خاں 07792998973

دونوں پھل تازہ، شیریں روح افزا، اور دل افروز نکلے۔

میوزیم آف اسلامک آرٹ Benaki Museum: میٹرو سٹیشن Monastraki سے اتر کر ایک سٹور کے مالک سے ایتھنز کے میوزیم آف اسلامک آرٹ کا راستہ پوچھا جو کہ 22 Ag. Asomaton پر واقع ہے۔ اس نے بتایا یہاں سے پندرہ منٹ کی واک پر ہے۔ ٹکٹ چودہ یورو مگر بزرگوں کیلئے یہ سات یورو تھا۔ یونان میں یہ اپنی قسم کا واحد میوزیم ہے۔ یہاں پر اسلامی تہذیب کے ابتدائی دور سے سلطنت عثمانیہ کے انیسویں صدی کے دور تک کے 8,000 ورکس آف آرٹ نمائش کیلئے کانچ کے شوکیسز کے اندر محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ بشمول مٹی کے برتن، سونے کی اشیاء، میٹل ورکس، ٹیکسٹائیل، گلاس، ہڈیوں سے بنی ہوئی اشیاء، سرجری کے آلات، جنگ کا ساز و سامان (ڈھالیں، تلواریں، خنجر) شامل ہیں۔

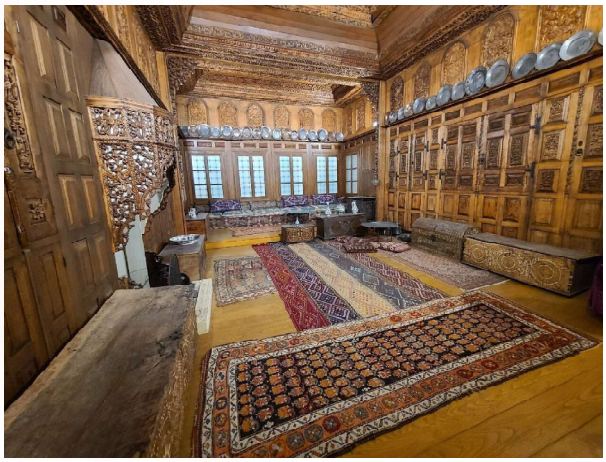

میوزیم کی پانچ منزلیں ہیں سب سے اوپر کیفے ٹیریا، اس کے بعد چوتھی منزل سے میوزیم شروع ہوتا ہے۔ ہر منزل کے داخلے کے دروازے پر بورڈ لگا ہے کہ یہاں کون کون سی اشیاء نمائش کیلئے رکھی ہوئی ہیں۔ پانچویں فلور پر لکھا ہوا تھا:

The Islamic world from the 17th to the 19th century

دیوار پر ایک بہت بڑا اسلامی دنیا کا نقشہ تھا کہ انیسویں صدی میں اسلامی دنیا اس خطہ ارض پر قائم تھی۔ ہندوستان کے جن شہروں کے نام لکھے تھے ان میں ملتان، لاہور، دہلی، آگرہ، لکھنؤ، بنارس قابل ذکر ہیں۔ تانبے سے بنے برتن اور اس کے ساتھ وال رس کی ہڈی Walrus ivory کی بنی کچھ چیزیں تھیں۔ اس سے آگے فوجی کا آدھا دھڑ chain-mail (تانبے کا بنا جالی دار حفاظتی جیکٹ) میں ملبوس تھا۔ اس کے نیچے وضاحت تھی۔ Chain mail shirts with steel plates for the protection of the chest and waist -Turkey 16th Century. Steel helmets in the shape of turban -Turkey 16th century.

اس سے آگے مختلف ممالک کی تلواریں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک سونے کی تلوار کے بلیڈ پر **بسم اللہ الرحمن الرحیم ، انا فتحنا لک** ۔۔۔ الخ، پوری سورۃ دلکش و دیدہ زیب عربی میں سنہری حروف میں کندہ کی ہوئی تھی۔ یہ ترکی میں سولہویں صدی میں بنائی گئی تھی۔ ایک جگہ پر عثمانی ترکوں کی رائفل تھی جس کا دستہ Rilfe butt لکڑی کا تھا اور شمالی یونان میں انیسویں صدی میں ملی تھی۔ اس کے آگے عورتوں کے قسم ہا قسم کے عالی شان زیورات تھے بندے، چوڑیاں، گلے کے ہار، جھومر۔ گلاس کپ بھی تھے جن میں چائے یا کافی پی جاتی تھی۔ ایک جگہ پر ایران کے چاقو اور تلواریں تھیں جن کے اوپر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا اور ایران میں انیسویں صدی میں بنائی گئیں تھیں۔ ایک شوکیس میں بارھویں صدی کے سرجری کے آلات، قطب نما (کمپاس) اور ایک اصطرلاب رکھا ہوا تھا۔ اسکے ساتھ پینٹنگ کی تین کتابیں تھیں۔ شطرنج کا بڑا بورڈ تھا جس میں پیادے ہاتھی دانت کے بنے ہوئے تھے۔ یہ مصر میں چودھویں اور سترھویں صدی کے درمیان میں بنایا گیا تھا۔

میرے لئے یہاں زبردست اہمیت کا حامل 'تفسیر کشاف' کا ایک ایران میں کتابت کیا ہوا ایک روح پرور نسخہ تھا۔ سرخ اور سیاہ روشنائی میں عربی تفسیر کوئی ایک ہزار صفحات کی ہوگی کیونکہ اس کے سائیڈ پر تفسیر کشاف جلی حروف میں کتابت کیا ہوا تھا۔ قرآن مجید کی یہ تفسیر ایران کے علامہ زمخشری نے (وفات 1144) بارھویں صدی میں زیب قرطاس کی تھی۔ علوم عربیہ میں یہ سند شمار کی جاتی ہے۔ ساتھ میں ایک حمائل شریف تھی جس کا سائز ہاتھ کے برابر ہوگا اور اس کے ساتھ محدب عدسہ magnifying glass دھاگے کے ساتھ لٹکا ہوا تھا تا پڑھنے میں آسانی ہو۔

## افلاطون کی اکیڈیمی

کوئی شخص اپنے علم و دانش پر ناز کرتا ہو تو کہا جاتا وہ اپنے آپ کو افلاطون سمجھتا ہے۔ گویا افلاطون کا دانائی کا منبع اور سر چشمہ تھا۔ افلاطون 428-328 BC یونان کے ان جلیل القدر حکماء میں سے ہے جس پر یونان کو بجا طور پر ناز ہے۔ اس کے حکیمانہ اقوال لوگ باتوں میں وزن پیدا کرنے کیلئے پیش کرتے ہیں۔ افلاطون کو زندگی میں ایک ٹریجڈی سے دوچار ہونا پڑا یعنی اس کے ٹیچر سقراط کو زہر دے کر ابدی نیند سلا دیا گیا۔

ہوٹل کے فرنٹ ڈیسک کی خاتون Alice نے فون کر کے مجھے ٹیکسی منگوادی، میں نے ڈرائیور کو ایڈریس دیا CRATYLUS St. اور اس نے دس منٹ بعد ایک وسیع رقبہ پر پھیلے پارک کے سامنے اتار دیا۔ پارک کے شروع میں ہی سائن بورڈ پر لکھا تھا:

Archaeological Park of Plato's Academy

پارک کے آگے گیا تو پتھروں کی دیوار میں گھری افلاطون کی اکیڈیمی کی باقیات تھیں۔ دو یا تین کمروں کی بنیادیں دیکھیں اور فوٹو بنائے۔

میں ایک بڑے پتھر پر بیٹھ کر خیالات کی دنیا میں گم ہو گیا۔ افلاطون نے مضافات میں اس اکیڈیمی کی بنیاد 388 BC میں رکھی تھی۔ اس محلے یا

علاقے کا نام اکیڈیمی تھا یوں آنیوالی نسلوں کو ایکا ڈیمی اور ایکا ڈیمک، اکیڈیمیا کے الفاظ دیئے گئے جو ہر زبان میں ملتے ہیں۔ یہاں فلاسفی کے ہر ڈسپلن کی تعلیم دی گئی جس کو ہم آج کل Humanistic & mathematical کہتے ہیں۔ اکیڈیمی ایک ہزار سال تک علم کی شمع روشن کرتی رہی۔ خاص طور پر نیو پلیٹونک فلاسفرز کے عہد تک یعنی 529 AD۔ اس کے بعد ایمپریر جسٹینین کے شاہی فرمان پر ایتھنز کے تمام سکولوں پر قفل چڑھا دیئے گئے۔ افلاطون اپنے واجب الاحترام استاد سے اتنا متاثر تھا کہ اس نے اپنی کتاب **ری پبلک** اس کے نام سے منسوب کر دی تھی۔

اگلے روز ہم وطن عزیز کینیڈا واپس روانہ ہو گئے۔

---

## ''رُخ سے نِقاب اُٹھا کہ طبیعت اُداس ہے'' عبدالحمید عدمؔ

ساقی شراب لا کہ طبیعت اداس ہے
مطرب رباب اٹھا کہ طبیعت اداس ہے

رک رک کے ساز چھیڑ کہ دل مطمئن نہیں
تھم تھم کے مے پلا کہ طبیعت اداس ہے

چھپتی ہے قلب و جاں میں ستاروں کی روشنی
اے چاند ڈوب جا کہ طبیعت اداس ہے

مجھ سے نظر نہ پھیر کہ برہم ہے زندگی
مجھ سے نظر ملا کہ طبیعت اداس ہے

شاید ترے لبوں کی چٹک سے ہو جی بحال
اے دوست مسکرا کہ طبیعت اداس ہے

ہے حسن کا فسوں بھی علاج فسردگی
رخ سے نقاب اٹھا کہ طبیعت اداس ہے

میں نے کبھی یہ ضد تو نہیں کی پر آج شب
اے مہ جبیں نہ جا کہ طبیعت اداس ہے

اِمشب گریز و رم کا نہیں ہے کوئی محل
آغوش میں در آ کہ طبیعت اداس ہے

کیفیت سکوت سے بڑھتا ہے اور غم
قصہ کوئی سنا کہ طبیعت اداس ہے

یوں ہی درست ہوگی طبیعت تری عدمؔ
کمبخت بھول جا کہ طبیعت اداس ہے

توبہ تو کر چکا ہوں مگر پھر بھی اے عدمؔ
تھوڑا سا زہر لا کہ طبیعت اداس ہے

# جینا مجھے دشوار تھا!

(افسانہ نگار: تنویر صادق)

وہ جس کی شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی تھی آج اسی کے پاس پہنچ چکی تھی۔ چوہدری اسے دیکھ کر ہنسا اور کہنے لگا۔ میں نے کہا تھا کہ ایک گاؤں میں رہنا ہے تو ہمیں ایک دوسرے کی ضرورتوں کا خیال بھی رکھنا ہوگا۔ تو کمال ضدی لڑکی ہے۔ بات ہی نہیں کرتی تھی۔ اس گاؤں میں میری بڑی عزت ہے۔ میں نے کہا تھا، چپکے سے مل لیا کر۔ تیری اور میری دونوں کی عزت خراب نہیں ہوگی۔ مگر تو میری بات ماننے کی بجائے خوامخواہ میرے ساتھ بگڑتی رہی، میرے پیار کا جواب ہمیشہ غصے سے دیتی رہی مگر آج آ گئی نا میرے پاس، بول کیا کام ہے۔ اس نے آنکھ جھپکے بغیر چوہدری کی طرف دیکھا اور کہا، مجھے دس ہزار روپے کی فوری ضرورت ہے۔ چوہدری نے جیب میں ہاتھ ڈالا، کچھ پیسے نکالے اور ان میں گن کر دس ہزار اس کو دے دیئے۔ لے میری جان تو کہے اور میں نہ دوں، یہ کیسے ممکن ہے، آ جا بیٹھ تھوڑی دیر باتیں کریں۔ یہ کہتے ہوئے چوہدری نے یکدم اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ میری شہزادی آج سے بس تو میری ہے۔ جو کہے گی ملے گا میں بس تیری پیار بھری نظروں کا طلب گار ہوں۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ ایک بے جان مورت کی طرح اس کے ہاتھوں میں جھول گئی۔ چوہدری نے ہلایا جلایا مگر وہ وہ کسی بے جان چیز کی طرح بے بس اور بے حس اس کی بانہوں میں جھولتی رہی، چوہدری کی کسی بھی حرکت پر اس نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا، لگتا تھا وہ کسی اور مسئلے میں کھوئی ہوئی ہے۔ کچھ محسوس کرتے ہوئے چوہدری پریشان ہو گیا اور کہنے لگا، خیریت ہے، شہزادی آج تیری مسکراہٹ کو کیا ہوا۔ وہ شوخی وہ چنچل پن کہاں گیا۔ آج تو تو بڑی بے جان سی مورت لگ رہی ہے۔ کیا ہوا ہے۔ اس نے بمشکل خود کو سنبھالا اور کہا، چوہدری آج مجھے جانے دے، میں بڑی مجبوری میں آئی ہوں، میرے ساتھ جو ہوا اور ہو رہا ہے تجھے پتہ چل جائے گا۔ زندگی رہی تو دیکھیں گے۔ چوہدری نے پریشان ہو کر پوچھا، ”تیری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ تو کچھ کھوئی کھوئی سی ہے۔ کچھ بتا تو سہی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا بس کھوئی کھوئی نظروں دیوار کی طرف دیکھتی رہی۔ چوہدری نے فکر مند ہو کر اسے کہا، کچھ پریشانی ہے تو جا کوئی بات نہیں۔ میں کسی دوسرے دن تیرا منتظر رہوں گا“۔ وہ مڑی اور تیزی سی مسجد کی طرف چل پڑی۔

اس کا باپ کسی سرکاری ایجنسی کا ملازم تھا۔ کسی زمانے میں اس کی پوسٹنگ اسی علاقے میں تھی۔ آبائی گاؤں میں کسی جھگڑے اور دشمنی کے سبب اپنی بیوی اور بچی کو وہاں محفوظ نہ جانتے ہوئے اس نے چپکے سے اپنا سامان اٹھایا، کسی کو بتائے بغیر انہیں اپنے ساتھ لے آیا اور یہیں ایک چھوٹا سا مکان لے کر رہنے لگا۔ یہاں سکون تھا اس کا باپ ہفتہ دس دن بعد بھی گھر کا چکر لگاتا تو اسے اس دوران اپنی بیوی اور بچی کی کوئی فکر نہ ہوتی۔ زندگی اچھی گزر رہی تھی۔ اپنے آبائی گاؤں سے ان کا اب ان کا کوئی ناطہ نہ تھا، ماں اور باپ کے بعد وہ کسی رشتہ دار یا اپنے آبائی علاقے کے بارے کچھ نہیں جانتی تھی اور نہ ہی اس کی ماں نے اسے کچھ بتایا تھا۔ وہ چھ سات سال کی تھی جب ایک دن اس کا باپ دہشت گردوں کا مقابلہ کرتے ہوئے وطن پر اپنی جان قربان کر گیا اور وہ ماں بیٹی کو دنیا کے رحم و کرم پر چھوڑ گیا۔ اگلے دن محکمے کے لوگ پرچم میں لپٹی اس کی لاش لے کر آئے۔ تھوڑی دیر ان کے گھر میں ٹھہرے اور پھر سرکاری طور پر لاش دفنا کر چلے گئے۔

اب وہ ماں بیٹی تنہا تھیں اور گزارے کے لئے اس کے باپ کی پنشن تھی جس سے ان کی گزر بسر آسانی سے ہو جاتی تھی۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ جب اس کی عمر پندرہ سال ہوئی تو اس کی ماں بیمار رہنے لگی۔ روز روز کے بخار نے ماں کو پریشان کر دیا۔ ماں کو اپنی جوان بیٹی کی فکر تھی۔ ماں کی حالت زیادہ خراب رہنے لگی تو وہ اس کی شادی کی فکر کرنے لگی۔ ایک دن ماں نے اسے بتایا کہ بیٹا میں مرنے سے پہلے کسی طرح تیری شادی کر جاؤں گی لیکن اگر کسی وجہ سے شادی نہ ہوئی تو یہ تیرے باپ کے پنشن کے کاغذات

ہیں انہیں سنبھال کر رکھو۔ میں مر جاؤں تو اس میں موجود فون نمبر پر رابطہ کرنا۔ وہ لوگ خود آ کر تصدیق کریں گے اور یہ پنشن تمہیں ملنا شروع ہو جائے گی اور تمہاری شادی ہونے تک تمہیں ملتی رہے گی۔۔ وہ ہنسی کہ ماں جب تجھے پتہ ہے کہ تیرے بعد مجھے کوئی مالی پریشانی نہیں ہوگی تو تو سب بھول کر اپنی بیماری پر توجہ دے۔ مجھے شادی نہیں کرنی۔ مگر ماں کو فقط ایک فکر تھی کہ اس کی شادی ہو جائے۔ وہ ہر ایک سے بیٹی کے رشتے کی بات کرتی۔ لگتا تھا کہ اس کی شادی جب تک نہ ہو ماں مر نہیں سکتی تھی۔

کسی نے بتایا کہ گاؤں میں ایک لاوارث لڑکا ہے۔ اس کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد اس کے ماں باپ فوت ہو گئے تھے۔ بیچارہ محلے داروں کی مہربانی سے پل کر جوان ہوا ہے۔ بہت تابعدار اور ملنسار ہے۔ مگر اس کی کل متاع ایک پرانی سی سائیکل کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جس پر وہ سودا سلف بیچتا ہے۔ رات گاؤں کے کسی بھی گھر کے برآمدے میں کاٹ لیتا ہے۔ نہ کوئی مکان نہ دکان۔ بس لڑکا ہے جو عادات کا بہت اچھا ہے۔ اس کی ماں نیکسی کی مدد سے جٹ بات پکی کی اور اگلے دن وہ لڑکا بیاہ کر اس کے گھر آ گیا۔ ماں شاید اسی بات کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کی شادی کے ایک ہفتے بعد اس کی ماں انہیں چھوڑ گئی۔ اس کے میاں نے بڑی خوش اسلوبی سے جس طرح ماں کی آخری رسومات کو ادا کیا، لگتا تھا اس کی ساس نہیں اپنی ماں فوت ہوئی ہے۔ اسے بھی تسلی دی۔ ماں چونکہ ایک مدت سے بیمار تھی اور اسے بھی اندازہ تھا کہ وہ لمبا عرصہ اس کا ساتھ نہ دے سکے گی اس لئے وہ جلدی سب بھول کر اپنے میاں کے پیار میں مست ہو گئی۔ اس کا میاں واقعی بہت پیار کرنے والا اور دھیان رکھنے والا تھا۔

زندگی معمول کے مطابق گزر رہی تھی۔ دونوں حالات سے مطمن تھے۔ شادی کو چھ ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ میاں صبح صبح منڈی سے کچھ سامان لے کر آتا۔ دونوں مل کر اسے دھوتے، پھر سائیکل پر بیچنے کے لئے سجاتے۔ وہ میاں کو مسکراتے ہوئے دروازے پر رخصت کرتی۔ میاں کے جانے کے بعد وہ گھر کے سارے کام کرتی اور پھر دوپہر تک کھانا تیار کر لیتی۔ دوپہر کو اس کا میاں سودا سلف بیچ کر واپس آتا، دونوں مل کر کھانا کھاتے۔ عموماً دوپہر تک اس کے میاں کا سارا سامان بک گیا ہوتا تو وہ دونوں کھانا کھانے کے بعد آرام کرتے۔ لیکن کسی کسی دن کچھ سامان بچا ہوتا تو میاں کھانے کے بعد ایک چکر لگانے دوبارہ چلا جاتا اور وہ اس کی واپسی کا انتظار کرتی۔ چند مہینوں میں ہی وہ آپس میں یوں گھل مل گئے تھے کہ انہیں زندگی دوسرے کے بغیر بہت ادھوری محسوس ہوتی تھی۔ اس کی جوانی بڑی بھرپور تھی۔ گاؤں کے بہت سے نوجوان اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتے مگر اس نے عمر بھر کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ گاؤں کا چوہدری بھی اس کے دیوانوں میں ایک تھا۔ وہ ایک بزدل آدمی تھا مگر اس کا دیوانہ تھا اور اس نے چوری چھپے کئی دفعہ اسے ملنے کی دعوت دی تھی مگر پیغام لانے والے کی اس نے ہمیشہ درگت بنائی تھی۔ زندگی میں پہلی دفعہ اسے اگر کسی سے پیار ہوا تھا اور وہ کوئی اور نہیں اس کا میاں تھا۔ اس کا میاں بھی اس سے پیار کرتا تھا۔ دونوں مطمن تھے یوں زندگی بڑی خوشگوار گزر رہی تھی۔

اس دن بھی اس نے میاں کو دروازے پر خدا حافظ کہا اور گھر کی صفائی میں مگن ہو گئی۔ کوئی آدھ گھنٹے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ علاقے کے تین چار آدمی بڑے مغموم سامنے کھڑے تھے۔ بتانے لگے کہ اس کے میاں کو ایک حادثہ پیش آ گیا ہے۔ ایک گاڑی اس کی سائیکل کو ٹکر مار کر فرار ہو گئی ہے۔ اس کا میاں گاڑی کے نیچے آ کر کچلا گیا اور جانبر نہ ہو سکا ہے۔ پولیس اس کی لاش ہسپتال لے گئی ہے اور پوسٹ ماٹم کے بعد تین چار گھنٹے میں اسے مل جائے گی۔ آپ اسے دفنانے کا انتظام کر لو۔

بتانے والے چلے گئے مگر وہ گم سم بہت دیر تک دروازے میں کھڑی رہی۔ پچھلے کئی ماہ سے دروازے کی دستک صرف اس کے خاوند کی آمد کی نوید ہوتی تھی مگر آج کی دستک اس کی موت کا پیغام تھی۔ ایک دم اسے ہوش آیا تو وہ چیخ مار کر مڑی اور چارپائی پر گر کر سسکیاں لینے لگی۔ اس کا تو سب کچھ اس کا میاں ہی تھا۔ انہوں نے اکھٹے جینے اور مرنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ مگر وہ اسے چھوڑ گیا تھا۔ اب اکیلی وارث ہونے کے سبب اسے اپنے میاں کے کفن دفن کا سامان بھی کرنا تھا۔ اسے یاد آیا اس کی ماں کے مرنے پر کفن دفن کے سارے انتظامات محلے کی مسجد کے مولوی صاحب نے کئے تھے۔ کچھ سوچنے

کے بعد اس نے ذہن میں کچھ فیصلے کئے، اٹھی اور مسجد میں مولوی صاحب کے پاس پہنچ گئی۔ مولوی صاحب نے اس کی بات سن کر پہلے افسوس کا اظہار کیا پھر بولے، ''بیٹا، سب کچھ کر دوں گا، مگر اس کے لئے کچھ رقم درکار ہے جو تمہیں مجھے دینی ہوگی۔'' اس کے پوچھنے پر مولوی صاحب نے کہا کہ بس کوئی نو دس ہزار۔ نو دس ہزار، یہ رقم کہاں سے آئے گی۔ مگر میری ماں کی باری تو آپ نے کچھ نہیں لیا تھا۔ مولوی صاحب بولے وہ لاوارث تھی۔ کچھ پیسے تمہارے میاں نے دیئے تھے بقایا میں نے محلے داروں سے چندہ لے کر اسے دفنایا تھا۔ اسے بات سمجھ آ گئی۔ اس کا میاں لاوارث نہیں تھا۔ وہ اس کی وارث ہے۔ اس لئے پیسے اسے مہیا کرنے تھے۔ مگر نو دس ہزار کہاں سے آئے گا۔ گھر واپس آتے اس کے ذہن میں نو دس ہزار کی تکرار جاری تھی۔

اسے یاد آیا، گاؤں کے چوہدری کا ہمیشہ پیغام ہوتا تھا کہ ایک دفعہ مجھے مل لے جو کہے گی دوں گا۔ وہ سوچنے لگی کہ چوہدری سے بات کرے یا نہ کرے، مگر اب سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ تھوڑی دیر میں میت اس کے گھر پہنچ جائے گی تو وہ کیا کرے گی۔ وہ مڑی اور سیدھی چوہدری کے گھر پہنچ گئی۔ چوہدری گھر پر موجود تھا۔ اس نے رقم دینے میں کچھ پس و پیش نہ کی۔ وہ رقم لے کر مولوی صاحب کے پاس پہنچی۔ رقم دیتے وقت اس نے پھر پوچھا کہ مولوی صاحب کوئی لاوارث ہو تو دفنانا آپ کے ذمے ہوتا ہے۔ مولوی صاحب کہنے لگے بیٹا میری کیا حیثیت ہے، یہ محلے داروں کی ذمہ داری ہے، میں تو بس پیسے اکھٹے کرنے میں مدد کرتا ہوں۔

مولوی صاحب آج میرا میاں مرا ہے، شام تک لاش آئے گی۔ صبح اسے دفن کریں گے۔ اس سے اگلے دن میں نے آپ سے کچھ پوچھنا ہے آپ صبح ہی میری طرف آ جائیں۔ یاد رہے گا۔ جی بیٹا کیوں نہیں، میں پرسوں صبح تمہارے پاس ہوں گا۔

شام کو اس کے میاں کی لاش آئی۔ وہ رات بھر اس کے پاس بیٹھی روتی رہی۔ صبح محلے دار آئے اور نعش دفنانے لے گئے۔ اب وہ اکیلی تھی۔ سوائے رونے اور میاں کو یاد کرنے کے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ وہ بھوکی پیاسی بیٹھی رہی۔ نقاہت حد سے بڑھی تو اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ اب وہ کس کے لئے اور کیوں جیئے، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ دو دن سے بھوکی تھی اس نے کچھ بھی کھایا پیا نہ تھا۔ اسے بھوک کا احساس بھی نہ تھا۔ اسے یہی فکر تھی کہ ساتھی بچھڑنے کے بعد وہ اکیلی زندہ رہ کر کیا کرے۔ اس نے تو ساتھ ہی جینے اور مرنے کا وعدہ کیا تھا۔ سوچتے سوچتے وہ بستر پر لیٹ گئی۔ تھکاوٹ اسے لمحوں میں نیند کی آغوش میں لے گئی۔ اگلی صبح وعدے کے مطابق مولوی صاحب تشریف لائے۔ انہوں نے کئی بار دروازہ کھٹکھٹایا، آوازیں دیں، مگر کوئی جواب نہ ملا۔ ہلکے سے دھکے سے دروازہ کھل گیا۔ سامنے پلنگ پر وہ سو رہی تھی۔ آوازیں دینے پر بھی کوئی جواب نہ ملا تو مولوی صاحب بھاگ کر ہمسایوں کو بلا لائے۔ سب آئے تو دیکھا اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی اور وہ انہیں چھوڑ کر اپنے میاں کے پاس پہنچ چکی تھی۔

☆☆☆

''وہ آدمی ہے تم اس کی عظمت گھٹا نہ دینا'' قتیل شفائی

اسے منا کر غرور اس کا بڑھا نہ دینا
وہ سامنے آئے بھی تو اس کو صدا نہ دینا

خلوص کو جو خوشامدوں میں شمار کر لیں
تم ایسے پتھر کو راستے سے ہٹا نہ دینا

وہ جس کی ٹھوکر میں ہو سنبھلنے کا درس شامل
ایسے لوگوں کو تحفتاً بھی وفا نہ دینا

سزا گناہوں کی دینا اس کو ضرور لیکن
وہ آدمی ہے تم اس کی عظمت گھٹا نہ دینا

جہاں رفاقت ہو فتنہ پرداز مولوی کی
بہشت ایسی کسی کو میرے خدا نہ دینا

قتیلؔ مجھ کو یہی سکھایا مرے نبیؐ نے
کہ فتح پا کر بھی دشمنوں کو سزا نہ دینا

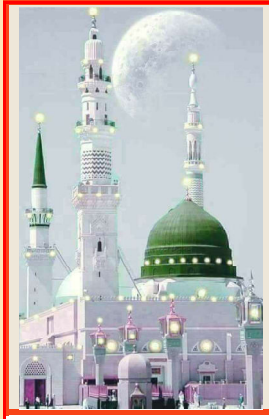

# ''حضرت محمد ﷺ کا عشق قرآن''

حق یہ ہے کہ قرآن میں ہے جانِ محمدؐ
ہیں سب سے بڑے عاشقِ قرآن محمد ﷺ

قرآں کی محبت میں بنے آپؐ ہی قرآں
اخلاق ہیں گویا کہ ہیں قرآن محمد ﷺ

تحریر و تحقیق: محترمہ امتہ الباری ناصر صاحبہ

عشق کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا مگر وہ مُشک کی طرح چھپتا بھی نہیں۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ سے اس قدر محبت تھی کہ عام لوگ بھی کہا کرتے تھے کہ:

عَشِقَ مُحَمَّدٌ عَلٰی رَبِّہٖ

یعنی محمد ﷺ اپنے رب پر عاشق ہو گیا۔

اسی طرح تلاوت قرآن مجید کی کثرت سے لگتا کہ محمد ﷺ تو قرآن کا عاشق ہو گیا ہے قرآن مجید اس مطہر اور مقدس فنافی اللہ وجود کی روح کی غذا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ امانت سونپی ہی قلب محمد ﷺ میں عشق الٰہی دیکھ کر تھی کیونکہ آپؐ کے سوا اور کوئی بھی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

آنحضور ﷺ کے قرآن پاک سے عشق کا ثبوت خود خدائے رحمان نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ ۔ (سورۃ البقرہ)

ترجمہ: وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی در آنحالیکہ وہ اس کی ویسی ہی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو (درحقیقت) اس پر ایمان لاتے ہیں۔

کتاب تو یہود و نصاریٰ کو بھی دی تھی مگر انہوں نے محرف و مبدل کر کے پس پشت ڈال دیا لیکن جن کو قرآن پاک دیا ہے وہ اس کا حق ادا کرتے ہیں اس کے پڑھنے کا حق ادا کرتے ہیں اس پر عمل کرتے اور ایمان لاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کسی چیز کو کان لگا کر توجہ سے نہیں سنتا جتنا نبی کریم کی تلاوت قرآن کو سنتا ہے جب وہ خوب صورت لحن اور غنا کے ساتھ بآواز بلند اس کی تلاوت کرتے ہیں۔'' (مسند احمد جلد ۲ ص ۴۵۰)

ایک مرتبہ آپؐ سے پوچھا گیا کہ تلاوت کون سی پسندیدہ ہے تو آپؐ نے فرمایا ''جس کو سن کر آپ کو احساس ہو کہ یہ شخص اللہ سے ڈرتا ہے۔'' یعنی خشیتِ الٰہی سے لبریز تلاوت اور یہ آپؐ ہی کی تھی۔

قرآن پاک آپؐ کا اوڑھنا بچھونا تھا قرآن پڑھنا' پڑھانا' سننا سنانا' مفہوم اور تشریح سکھانا آپؐ کے محبوب کام تھے۔ پھر آپؐ نے قرآن کے حفاظ تیار فرمائے مختلف مواقع پر مخصوص دعائیں' آیات اور سورتیں پڑھنے کی فضیلت بتا کر قرآن مجید ہمارے روز و شب میں داخل کر دیا سوئیں تو لبوں پر قرآن ہو جاگیں تو اسی پاک کلام کی شیرینی کے ساتھ۔۔۔

بانی جماعت احمدیہ نے خود سپردگی کی اس کیفیت کو شعر میں ڈھال دیا ہے فرمایا:

دِل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

آپ ﷺ کو قرآن سے اس لئے بھی عشق تھا کہ قرآن پاک ہی آپؐ کی طاقت اور اطمینان کا ذریعہ تھا اللہ تبارک تعالیٰ نے آپؐ کو جو عظیم الشان کام سونپا تھا۔ عام انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ نبوت کا بوجھ کم نہیں تھا اس پر جتنے صدمے آپؐ کو برداشت کرنے پڑے عزیزوں کی اموات پیاروں کی شہادتیں مسلمانوں پر مظالم وطن سے ہجرت مکہ سے دوری کہاں تک گنیں تیئس سال رسالت کے تیئس سال نزول قرآن کے آپؐ کو پل پل مضبوط رکھنے اور اطمینان قلب کا باعث بنے۔

آپ ﷺ کو قرآن پاک سے اس لئے بھی عشق تھا کہ یہ پاک کلام تبلیغ حق کے لئے سب سے کارگر ہتھیار تھا جو دلوں کو مسخر کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیتا آپؐ نے کبھی بھی تبلیغی وفود کو تلوار نہیں تھمائی بلکہ فرماتے پہلے قرآن سنانا۔ جب تک صحابہ کرامؓ اور مسلمان قرآن کو لے کر آگے بڑھے دنیا ان کے لئے وسیع ہوتی گئی۔ ان گنت مثالیں ہیں جہاں ایک آیت ہی دل بدل دیتی۔

آپ ﷺ کو قرآن پاک سے اس لئے بھی عشق تھا کہ یہ جنت کی نوید دیتا ہے۔ اور شیطان کے راستوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایک روایت ہے آپؐ نے فرمایا جنت میں اللہ پاک فرمائے گا قرآن پاک کی تلاوت کرتے جاؤ اور جنت کے درجوں پر چڑھتے جاؤ جہاں تلاوت رکے گی وہیں جنت میں تمہارا مقام ہوگا۔

حضرت رسولِ کریم ﷺ میرے ماں باپ اور میری جان آپؐ پر فدا ہو کی محبوب کتاب ہمارے پاس موجود ہے ہم بھی اس سے اتنی ہی محبت کریں جتنا اس کا حق ہے تو آج بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں دنیا نے اسے مہجور کی طرح چھوڑ دیا ہے یہ وقت ہے کہ ہم اسے چوم کر گلے سے لگالیں اور عمل سے اپنے مولا کو منالیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ کرے کوئی معجزہ آواز کی پرانی لہروں کو زندہ کر سکے اور ہم لحن محمدی کے سوز و گداز' عشق و محبت میں ڈوبی تلاوت سن سکیں۔

آمین یارب العالمین۔

## ''اک بچے نے مجھ سے پوچھا ہے کہ آپ کا کمرہ کیسا ہے''

کلام: محترمہ امتہ الباری ناصر صاحبہ

اک بچے نے مجھ سے پوچھا ہے کہ آپ کا کمرہ کیسا ہے
آئیں میں دکھاتی ہوں کمرہ جس میں ہم پیار سے رہتے ہیں
یہ پلنگ میں جن پر سوتی ہوں اماں نے مجھے دلائے تھے
خلوت جلوت کے ساتھی ہیں ہر بات کو راز میں رکھتے ہیں
ان پر میں اپنے بچوں کو پہلو میں لے کر سوئی ہوں
میاں انجینئر بیوی لکھاری زندگی اچھی گزری ہے
دیواروں پر آویزاں ہیں تصویریں میرے پیاروں کی
اک عمر رسیدہ کیلنڈر پر نوٹ ہیں سب تاریخوں پر
بڑی سی اک الماری میں سجے کچھ پیارے نادر تحفے ہیں
فائل میں پیارے آقا کے ترتیب سے سب خط رکھے ہیں
میک اپ کی کچھ چیزیں ہٹا کر اپنی دوائیں رکھ لی ہیں
یہ کمرہ خواب گہ بھی ہے اور ایک چھوٹا سا دفتر بھی
البم ہیں کچھ تصویروں کے ان کے صفحے پلٹتی رہتی ہوں
اک کونے میں مرے پوتے نے پنسل سے لکیریں کھینچی ہیں
کمرے میں سلائی مشین بھی ہے کروشیا اون سلائیاں بھی
ایم ٹی اے نے گھر میں ہی آقا کی دیدکرائی ہے
گھر کے بالکل سامنے ہی اک جھیل ہے نیلے پانی کی
کمرے میں کچھ بھی نہیں بدلا پر آئینہ یہ کہتا ہے
روز و شب اپنے مولا سے خوشیاں اور نعمتیں پائی ہیں
مولا انجام بخیر کرے اب سورج ڈھلنے والا ہے
مجھے اگلے جہان میں اس سے بڑھ کے اپنی رضا کی دولت دے

جہاں بیٹھ کے لکھتی پڑھتی ہیں ماحول وہاں کا کیسا ہے
یہاں دنیا کی ہر نعمت ہے ہم اس کو مسکن کہتے ہیں
ان میں ممتا کی خوشبو ہے میکے سے میرے آئے تھے
میں ان پر لکھتی پڑھتی ہوں آرام یہ مجھ کو دیتے ہیں
میرے حال دل سے واقف ہیں میں ان پہ ہنسی ہوں روئی ہوں
اچھا ہے کہ ان دیواروں نے ساری راز ہی رکھی ہے
اک چاند ہے پورا چودھویں کا اور ساتھ پانچ ستاروں کی
مری کھٹی میٹھی یادوں کے جو پھیلی ہیں کئی برسوں پر
نایاب کتابیں کاغذ ہیں کچھ پورے ادھورے مسودے ہیں
یہ سب سے قیمتی دولت ہے میں نے جاں سے لگاکے رکھے ہیں
جو سینت کے چیزیں رکھتی تھی وہ سب بچوں کو دے دی ہیں
اس کمرے میں اک میز پہ رکھا رہتا ہے کمپیوٹر بھی
تصویریں دیکھ کے اپنوں کی ماضی میں کھوئی رہتی ہوں
بے شک یہ آڑی ترچھی ہیں پھر بھی اچھی لگتی ہیں
فرصت ملے تو کرتی ہوں بچوں کے لئے کڑھائیاں بھی
فضلِ الٰہی سے ہم نے یہ بھاری نعمت پائی ہے
کیاری ہے پیارے پھولوں کی خوشبو ہے رات کی رانی کی
وہ چہرہ کتنا بدل گیا جو آئینے میں رہتا ہے
فضلِ خدا سے ہم نے ساری دل کی مرادیں پائی ہیں
اک وہ ہی تو ہے جو عاجز کا پردہ رکھنے والا ہے
جنت میں کشادہ سا گھر دے اور اپنی لقا کی نعمت دے

# ''اسلامی ترقیات کی سرخیل یقیناً ذاتِ محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ہے''

(تحریر: پروفیسر نصیر حبیب۔لندن)

ہر تہذیب اور کلچر کی بنیاد کسی عارف باللہ کے روحانی تجربہ اور مشاہدہ حق پر ہوتی ہے اور جتنی بڑی یہ واردات ہوتی ہے اتنا ہی دوام اور استحکام اس تہذیب کو حاصل ہوتا ہے۔اسلامی تہذیب کی بنیاد اس فانی فی اللہ کے مشاہدہ حق پر تھی جس نے اپنے دائرہ عروج میں مقام قاب قوسین کو چھولیا۔بقول شاعر

موسیٰ زہوش رفت زیک پرتوے صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمے

چنانچہ ایک ایسا انقلاب آیا جو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔مذہبی تاریخ میں یہ واحد انقلاب تھا جو اپنے ساتھ واقعاتی شہادت اور تاریخ کی گواہی رکھتا ہے۔ چنانچہ مشہور مورخ کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

Islam is a religion of success unlike Christianity, which has its main image, in the west at least, a man dying in a devastating, disgraceful, helpless, death.....Mohammad was not an apparent failure. He was dazzling success, politically, as well as spiritually, and Islam went from strength to strength.'

(March2002Bill Moyers Interviews Karen Armstrong. PBS)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی نے ذرّوں کو ستارہ بنادیا اور قرآن کی اعجازی تعلیمات سے علمی اور روحانی اجالا پھیلا اور روحانی مریضوں کو شفا ملی۔نیل کے ساحل سے خاک کاشغر تک تہذیب انسانی ترقی وتمدن کی نئی رفعتوں سے ہم کنار ہوئی اور انسانیت کو ذات پات کے تصورات سیر ہائی ملی اور معاشی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوا اور سائنس کی دنیا میں نئے افق روشن ہوئے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے مساوات کے تصور جس میں کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں معاشی سرگرمیوں کے فروغ سے کیا تعلق ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہندوستان میں مسلم اقتدار آنے سے قبل صوفیائے کرام کے فیضانِ نظر سے پہلے اچھوتوں کو شہروں میں داخلے کی اجازت نہیں تھی اس وجہ سے شہر چھوٹے چھوٹے اور معاشی سرگرمیاں محدود تھیں۔اسلام نے جب ان ذات پات کی زنجیروں سے رہائی عطا کی تو بڑے بڑے شہر بننے لگے اور معاشی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوا۔اس طرح اسلام نے انسانی عقل کو شرف عطا کیا۔ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ۔(سورۃ الملک)

اور اس کی وجہ سے سائنس کو فروغ حاصل ہوا اور انسان ستاروں کی گزرگاہوں کو ڈھونڈنے کے قابل ہوا۔لیکن سب سے بڑھ کر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کا فیض تھا جس نے ان لوگوں کو جو جانوروں کی طرح کھاتے پیتے تھے،يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا۔ کا نمونہ بنادیا۔اور مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور نہایت مختصر عرصے میں تین براعظموں پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔لیکن دور عروج میں یہ بات فراموش ہو جاتی ہے کہ ان تمام سیاسی، علمی، ثقافتی اور فوجی کامیابیوں کی تہ میں کوئی نفس ذکیہ ہوتا ہے۔کسی فانی فی اللہ کی دعائیں ہوتی ہیں۔حقیقی تزکیہ اور سچی روحانیت ہوتی ہے۔چنانچہ عباسیوں کے دورِ حکومت میں دولت اور کامیابیوں کی چکاچوند میں اس حقیقت کو فراموش کر دیا گیا۔حضرت حکیم مولوی نورالدینؓ فرماتے ہیں کہ شریعت میں یہ ہے کہ چالیس ہوں تو ایک روپیہ خدا کی راہ میں دے اور طریقت میں یہ ہے کہ ایک ہے تو چالیس روپے دے لیکن یہ راہ اور یہ پیغام نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے کتاب الحیل لکھی جاتی ہے یہ عباسی دور میں سامنے آتی ہے اس میں شریعت کی پابندیوں سے بچنے کے لیے حیلے بتائے گئے ہیں۔ایک قاضی صاحب کو ان کی بیوی رقم دیتی ہے کہ اس کے لیے ایک لونڈی خریدی جائے۔قاضی صاحب لونڈی خرید لاتے ہیں بعد میں ان کی بیوی پر انکشاف ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے اسے بیوی بنایا ہوا ہے چنانچہ اس بددیانتی پر ان کی بیوی ان کا گریبان پکڑتی ہے۔قاضی صاحب اسے لے جا کر دکھاتے ہیں کہ ان کی رقم تو اس کمرے میں پڑی ہے یہ لونڈی تو قاضی صاحب اپنی رقم سے خرید کر لائے ہیں۔اس طرح شریعت کو ہنسی مذاق بنایا جاتا ہے۔نیکی صرف یہ رہ گئی تھی کہ سقوط بغداد سے ذرا پہلے سنّی ایک عباسی شہزادے کی سرپرستی میں اہل تشیع کے محلے لوٹ رہے تھے اور شیعہ بیرونی حکمرانوں سے مل کر بغداد کی تباہی کے منصوبے بنا رہے تھے اس کا نتیجہ بقول حضرت حکیم مولوی نورالدینؓ یہ نکلتا ہے کہ ''پھر بغداد کا حال ہمیں معلوم ہے وہ محمود غزنوی جو خلیفہ کے اَلَمْ اَلَمْ سے ڈر گیا تھا۔اسی پایۂ تخت کو ہلاکو نے تباہ کیا۔ایک ہزار شخص جن پر سلطنت کے متعلق دعویٰ کا گمان تھا ان سب کو دیوار میں چن دیا

گیا۔ وہ بی بی جس کا نام نسیم بی بی رکھا گیا تھا ایک گلی میں ایسی حالت میں دیکھی گئی کہ کتے اس کا لہو چاٹ رہے تھے اور میری آنکھوں کے سامنے بخارا، سمرقند، دہلی، لکھنؤ اور طرابلس کی سلطنتیں مٹ گئیں۔ دہلی کے شہزادوں میں سے ایک کو میں نے جموں میں ستار بجاتے مراسیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا۔'' (الفضل۔8اکتوبر1913)

گویا نیل کے ساحل سے تا بخاک کاشغر عالم اسلام مغرب کے حملوں کی زد میں تھا اور مسلمان ورطۂ حیرت میں گم تفسیر حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ دیکھ رہے تھے۔ اس بار مغرب کا چیلنج عالم اسلام کے لیے ایک انوکھا واقعہ تھا۔ مغرب کا غلبہ نہ صرف سیاسی میدان میں تھا بلکہ فکری میدان میں بھی تھا۔ علمی اور سائنسی لحاظ سے زمانہ قیامت کی چال چل رہا تھا غالب نے سچ کہا تھا

بارہا دیکھی ہیں ان کی رنجشیں
پر کچھ اب کے سرگرانی اَور ہے

جب بھی کوئی تہذیب مغلوب ہوتی ہے اس کا ردعمل دو طریقوں اور انداز میں سامنے آتا ہے۔ ایک ردعمل جسے ھیروڈین (HERODIAN) کہا جاتا ہے اور دوسرا ردعمل جسے زیلٹ (ZEALOT) کہا جاتا ہے۔ ھیروڈین ردعمل میں زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ غالب تہذیب کے طور طریقوں اور اس کی تکنیک کو اپنا لیا جائے اس طرح اس چیلنج کا مقابلہ کیا جائے اور اپنے بوجھ کو ہلکا کیا جائے خواہ اپنی روایات ترک کرنی پڑیں۔ اس فکر کو اگر ایک مصرعہ میں سمیٹا جائے تو گویا

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

سرسید کا خیال تھا کہ دین چلے جانے سے دنیا ہاتھ سے نہیں جاتی لیکن دنیا ہاتھ سے چلی جائے تو دین بھی چلا جاتا ہے۔ سرسید احمد خان امت مسلمہ کے زوال کو دُور کرنے کے لیے شاخ کو پکڑنا چاہتے تھے نہ کہ جڑ کو۔ جبکہ بانی جماعت احمدیہ کا خیال تھا کہ ''کوئی آفت زمین پر پیدا نہیں ہوتی جب تک آسمان سے حکم نہ ہو اور کوئی آفت دور نہیں ہوتی جب تک آسمان سے رحم نازل نہ ہو... عقل مندی اسی میں ہے کہ تم جڑ کو پکڑو نہ شاخ کو۔'' (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 8)

بانی جماعت احمدیہ روحانی و اخلاقی اصلاح کو اول خیال کرتے تھے جبکہ سرسید احمد خان اور ان کے طرز خیال کی پیروی کرنے والے مادی حالت کی تبدیلی زیادہ اہم خیال کرتے تھے۔ لیکن دَورِ جدید کی امت مسلمہ کی ڈیڑھ سو سال کی تاریخ بانی جماعت احمدیہ کے نقطۂ نظر کی تائید میں شہادت دیتی نظر آتی ہے۔ تمام اسلامی دنیا کا جی ڈی پی جاپان کے جی ڈی پی کا ایک چوتھائی ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمن ایک دانشور اور ایک سکالر تھے وہ لکھتے ہیں:

It is only the failure of such plans to achieve their economic targets that has led sociologists and to an awareness that generally western --economists the intangible human element with its moral factors may be all important, although they are still not prepared to do much about it.

Fazl ur Rahman, Islamic Modernism International journal of )
(Oct,19701No4:Middle East Studies, Vol

گویا معاشی ترقی بھی اخلاقی ترقی اور تبدیلی کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے۔ بانی جماعت احمدیہ فرماتے ہیں کہ ''مسلمانوں کا معاملہ اَور قوموں کی طرح نہیں کیونکہ مسلمانوں پر اتمام حجت ہو چکا ہے۔'' لیکن سرسید اور ان کے ساتھی جدید تعلیم متعارف کروا رہے تھے اور انہیں یہ اندازہ تھا کہ جدید سائنس پڑھ کر نوجوانوں کے دل میں ضرور شکوک وشبہات پیدا ہوں گے۔ مولوی تو ان سے یہ کہہ کر پیچھا چھڑوا لے گا کہ جاؤ تمہارے جیسے شخص کی دین کو کوئی ضرورت نہیں لیکن ہم نوجوانوں کو کیسے مطمئن کریں گے لہٰذا انہوں نے قدیم فقہ کو مسترد کر دیا لیکن متبادل نئی فقہ پیش نہیں کی نہ ہی اس کے کسی پیرو نے ایسا کیا۔ چنانچہ پیشگوئیوں کی حامل مکی دَور کی آیات زیادہ سے زیادہ اور قانونی نوعیت کی مدنی دَور کی آیات کم سے کم پیش کی جاتیں۔ (ماڈرن اسلام ان انڈیا)

سرسید کے رفقاء نے اسلامی تعلیمات کے بنیادی ماخذوں کو نذر خط تنسیخ کر کے کہا کہ قرآنی تعلیمات کا غالب حصہ احکام، اخلاق، تاریخی امور، کہانیوں اور پیشگوئیوں پر مشتمل ہے جن کا نسل انسانی کی اجتماعی تہذیبی اور سیاسی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ (قاضی جاوید، سرسید سے اقبال)

گویا بانی جماعت احمدیہ کے الفاظ میں ''یہ لوگ اسلام کی کشتی سے جو تہلکہ انگیز طوفان کی زد میں آ گئی تھی۔ نفیس مال کی گٹھریاں دریا میں پھینک رہے تھے کہ جہاز کو ہلکا کر کے جانوں کو بچایا جائے۔'' (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5)

بھیگ جاتی ہیں اس امید پہ آنکھیں ہر رات شاید اس
رات وہ ماہتاب لب جو آئے

جب یہ ماہتاب لب جو آیا تو بانی جماعت احمدیہ مرزا غلام احمد صاحبؑ نے پکار کے کہا: ''اس کشتی کا ناخدا خداوند تعالیٰ ہے نہ آپ۔ وہ بار بار وعدہ کر چکا ہے کہ ایسے خطرات میں یہ کشتی قیامت تک نہ پڑے گی اور وہ ہمیشہ اس کو طوفان اور باد مخالف سے آپ بچاتا رہے گا جیسا کہ فرماتا ہے إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔الحجر

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 259)

اس صورت حال میں جب کہ لگتا تھا جیسے سامنے پُل صراط ہے اور گزرنے والے کبھی سنت کو بوجھ سمجھ کر ترک کرتے کبھی حدیث کو، کبھی اجماع، کبھی قرآنی آیات کو۔ آپؑ نے فرمایا قرآن کا ایک شوشہ بھی منسوخ نہیں ہوگا آپ نے نہ قرآن کو چھوڑا نہ حدیث کو نہ سنت کو نہ اجماع کو نہ آنحضرت ﷺ کی ذات باجود کی مرکزیت پر کوئی زد آنے دی۔ آپ کے فیضان نظر سے تاریکیاں سمٹ سمٹ کر رستہ دینے لگیں اور نگاہوں کے سامنے صراط مستقیم روشن ہوگئی۔ یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ سرسید احمد خان کے صاحبزادہ کا نام بھی محمود تھا جسے سرسید نے جدید تعلیم دلوائی انہوں نے وظیفہ حاصل کیا انگلستان میں تعلیم حاصل کی وہ اس دَور میں جسٹس بن گئے جب لوگ ادنیٰ سرکاری نوکری پر فخر کرتے تھے۔ ایک ہمارے سیدنا محمودؓ تھے جن کے حصے میں یونیورسٹی کلاس روم نہیں بلکہ مسجد کا گوشہ آیا جو جدید تعلیم نہیں بلکہ بقول ان کے صرف قرآن پڑھے ہوئے تھے لیکن سید جسٹس محمود بعد میں علیگڑھ کے سیکرٹری مقرر ہوئے لیکن کثرت شراب کی وجہ سے ادارہ کی کوئی خدمت نہیں کر سکے بلکہ انہیں ادارے سے الگ کر دیا گیا تا کہ ادارہ کو تباہی سے بچایا جا سکے۔ اور ایک ہمارے سیدنا محمودؓ تھے جن کے پاس صرف فیضان نظر تھا۔ اوائل عمر میں تقریر کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو مولوی محمد علی صاحب وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ کا نشان قرار دیتے ہیں انگلی پکڑ کر جب عالم روحانی کی سیر کرواتے ہیں تو بہادر یار جنگ جیسا مقرر دنگ رہ جاتا ہے۔ مذہب اور سائنس پر لیکچر دیتے ہیں تو اقبال لذت تقریر سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ اسلامی تاریخ کی گتھیاں سلجھاتے ہیں تو شیخ سر عبدالقادر اپنے آپ کو طفل مکتب قرار دیتے ہیں۔ نومبر 1930ء میں پہلی گول میز کانفرنس لندن میں شروع ہوئی تو مسلم اقلیت کی مؤثر ترجمانی کے لیے آپ نے ''ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسائل کا حل'' کتاب لکھی اس پر ممتاز صحافی عبدالمجید سالک نے لکھا: ''جناب مرزا صاحب نے اس تبصرہ کے ذریعہ بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ بڑی بڑی اسلامی انجمنوں کا کام تھا جو مرزا صاحب نے انجام دیا۔'' (انقلاب 16 نومبر 1930ء)

مذہبی میدان تو ایک طرف میدان سیاست میں بھی ان کی صلاحیتوں کا لوہا اس طرح مانا جاتا ہے کہ کشمیر کمیٹی کے قیام کے وقت اقبال یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ''میاں صاحب اگر آپ کشمیر کمیٹی کے صدر نہ بنے تو کام نہیں ہوگا۔''

اسی علی گڑھ کالج سے پڑھے ہوئے ایک ممتاز لیڈر مولانا محمد علی جوہر یہ اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے ''ناشکر گزاری ہوگی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد اور ان کی اس منظّم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام توجہات... مسلمانوں کی بہبودی کے لیے وقف کر دیں... وہ وقت دور نہیں جب اسلام کے اس منظّم فرقہ کا طرز عمل سواد اعظم اسلام کے لیے۔۔ مشعل راہ ہوگا۔''

(ہمدرد دہلی 26 ستمبر 1927ء)

ایک بار سرسید احمد خان نے بانی جماعت احمدیہ کی کتب کو دیکھ کر کہا ان سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا لیکن حیرت ہے کہ ان کے صاحبزادے جدید تعلیم کے حصول کے باوجود علی گڑھ کالج کے ادارے کی ایک کوڑی کی بھی خدمت سرانجام نہ دے سکے جبکہ سیدنا محمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیضان نظر سے مسلمانان ہندوستان کی وہ ٹھوس خدمات سرانجام دیں کہ اپنے تو کیا بیگانے بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدنا محمودؓ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فیض نظر سے جو ذوق یقین عطا ہوا تھا وہ جسٹس سید محمود کے پاس نہیں تھا وہ شیکسپیئر کے کردار ھملٹ کی طرح to be اور not to be کے تذبذب سے باہر نہ آ سکے اور ایک دوسرے سے پوچھتے پھرتے تھے

اب تم ہی کہو کیا کرنا ہے
یہ گھاؤ کیسے بھرنا ہے

ہماری مغربی ایلیٹ کا یہی مسئلہ ہے کہ ان کو اسی تذبذب اور بے یقینی کی وجہ سے بدعنوانی اور کرپشن کا آزار کھا گیا۔ وہ کوئی خدمت قوم وملت کی نہیں کر سکے

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

ہماری اب تک کی گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جدید تعلیم کا حصول جو کہ روحانی اور اخلاقی بنیادوں سے محروم ہو کوئی ٹھوس نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ کیمبرج ہسٹری آف اسلام میں درج ہے۔

It is obvious that the simple borrowing of a foreign system of education, shorn of the spiritual moral and

cultural basis which gave birth to it, is not like to produce results, unless a new adequate basis for it is Created even with regard to pure technology. It is more than doubtful whether it will lead to the material creativity envisaged, unless it is made the proper instrument of a system of Values adequately adjusted it. To put the matter quite clearly, an engineer may know to build a bridge, but why he should build one, and with what efficiently and Zeal, depend entirely on the values that motivate him. His skill therefore must be made part and parcel of a total cultural pattern.'

(655-2, P:Cambridge History of Islam Vol)

اس اقتباس کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان تحریکوں کے بانیان امت مسلمہ کو زوال سے نجات دلانے کے لیے جو حکمت عملی اپنا رہے تھے وہ غلطی خوردہ تھے۔ان کی حالت ہندوستانی کہانی کی اس خاتون کی طرح تھی جو اپنی کھوئی ہوئی سوئی باہر گلی میں تلاش کر رہی تھی حالانکہ سوئی اس کی جھونپڑی میں گم ہوئی تھی۔ وجہ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ باہر گلی میں روشنی ہے اور اندر اندھیرا ہے۔یہی حال ان جدید تحریکوں کے بانیوں کا تھا مسئلہ اندر تھا لیکن وہ اس کا حل باہر ڈھونڈ رہے تھے۔

**دوسرا ردّعمل:** اس جدید دَور میں دوسرا ردّعمل جسے ماہرین تاریخ (Zealot Response) کہتے ہیں۔اس کی جھلکیاں بھی ہمیں جدید اسلامی تاریخ میں نظر آتی ہیں۔ایک محقق Cantwell Smith جدید دور میں جو مسلم امّہ میں اپنے احیا کیلیے تڑپ پائی جاتی ہے اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

'The fundamental malaise of modern Islam is a sense that something has gone wrong with Islamic history. The fundamental problem of modern Muslims is how to rehabilitate that history.'

Smith, Islam in Modern History. Princeton University Press, C W) (1957. Page, 41

چنانچہ مختلف تحریکیں اسلامی دنیا میں سامنے آئیں۔جنہیں ہم شدّت پسند کہہ سکتے ہیں۔جو یہ سمجھ رہے تھے کہ اس جدید دور میں سوائے تلوار کی طاقت کے ہم اسلامی تاریخ کا احیا نہیں کر سکتے۔اس نظریہ کو بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک عرب کو اسلام کی دعوت دیتے رہے وعظ و تلقین کا جو مؤثر سے مؤثر انداز ہوسکتا تھا اسے اختیار کیا۔مضبوط دلائل دیئے، واضح حجتیں پیش کیں، فصاحت و بلاغت اور زور خطابت سے دلوں کو گرمایا۔ اللہ کی جانب سے محیّر العقول معجزے دکھائے۔اپنے اخلاق اور پاک زندگی سے نیکی کا بہترین نمونہ پیش کیا... لیکن آپ کی قوم نے آفتاب کی طرح آپ کی صداقت کے روشن ہوجانے کے باوجود آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا... لیکن جب وعظ و تلقین کی ناکامی کے بعد داعی اسلام نے ہاتھ میں تلوار لی... تو دلوں سے رفتہ رفتہ بدی اور شرارت کا زنگ چھوٹنے لگا... عرب کی طرح دوسرے ممالک نے بھی جو اسلام کو اس سرعت سے قبول کیا کہ ایک صدی کے اندر چوتھائی دنیا مسلمان ہوگئی تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ اسلام نے ان پردوں کو چاک کر دیا جو دلوں پر پڑے ہوئے تھے۔'' (الجہاد فی الاسلام۔مولانا مودودی صفحہ 137 تا 138)

دراصل یہ وہ تصور اسلام تھا جو کہ مستشرقین اور دشمنان اسلام پیش کرتے ہوئے آرہے تھے جنہیں ڈوزی، سمتھ، جارج سیل، پادری فنڈر اور ہنری کوپی پیش کرتے چلے آرہے تھے۔مودودی صاحب اور ان جیسے دوسرے مفکرین اس جال میں پھنس گئے اور دشمنان اسلام کے الزامات کو کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا نہ صرف تسلیم کرلیا بلکہ دوبارہ اسی تلوار کے حصول کے لیے دیوانے ہوگئے تاکہ دوبارہ تلوار ہاتھ میں لے کر لوگوں پر اپنا تصور اسلام نافذ کرسکیں۔

اسی طرح کا خیال تحریک اخوان المسلمین کے بانی حسن البنّا کا بھی تھا۔وہ مصر میں 1906ء میں پیدا ہوا۔ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور بعد میں مذہبی تعلیم انہوں نے دارالعلوم قاہرہ میں حاصل کی۔اس کے بعد وہ اسماعیلیہ کے شہر میں استاد مقرر ہوئے۔انہوں نے اپنے چھ ساتھیوں کے ہم راہ تحریک اخوان المسلمین کی بنیاد 1928ء میں رکھی۔حسن البنّا جب طالب علم تھے انہوں نے 1924ء میں عثمانی خلافت کا خاتمہ ہوتے دیکھا۔وہ سوچتے تھے کہ اسلام کا احیاء دوبارہ ریاست کی طاقت سے ہوسکتا ہے۔

حسن البنّا نے اس کے ساتھ ملکی سیاست میں بھی دخل اندازی شروع کر دی۔اس وقت مصر کے بادشاہ شاہ فاروق اور وزیراعظم مصطفیٰ النحاس پاشا میں کشمکش شروع ہوگئی کیونکہ وہ بادشاہ کے اختیارات کو محدود کرنا چاہتا تھا۔شاہ فاروق نے مصطفیٰ النحاس کی حکومت کو برطرف کر دیا اور شہرت حاصل کرنے کے لیے اخوان المسلمین

کی سرپرستی شروع کر دی۔علی ماہر پاشا اخوان المسلمین کے وفد کی شاہ فاروق سے ملاقات کرواتا ہے۔اس وفد کی قیادت حسن البنّا کر رہے تھے۔

Ali Mahir Pasha also made sure that Palace funds were given to the Brotherhood.

Volatile Social Movement And The Origins :Chistine Sixta Rinehart Of Terrorism. Lexington Books, U.K. page 19

یہ ایک عجیب ستم ظریفی ہے کہ یہ اسلامی تحریکیں جو اسلامی ریاست کا قیام چاہتی ہیں بعض اوقات آمروں کے ساتھ گٹھ جوڑ سے بھی گریز نہیں کرتیں۔بعض اوقات آمروں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتی ہیں کہ انسان کو حیرت ہوتی ہے کہ کوئی بندہ طاقت کے حصول کے لیے اس حد تک بھی جا سکتا ہے۔ چنانچہ پاکستان میں یحیٰی خان کے مارشل لاء کے دَور میں جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد صاحب یحیٰی خان کی تعریف میں اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے کہا کہ ''مجھے قوی امید ہے کہ اسلامی نظام حکومت کا جو سلسلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے منقطع ہوا تھا اس کی بحالی کا آغاز انشاءاللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشقوں میں سے ایک شخص کے ہاتھوں پاکستان کی سرزمین سے ہوگا۔میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ یحیٰی صاحب کو عزم، ہمت اور اس اخلاص کے ساتھ پاکستان میں اسلامی جمہوری نظام بحال کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔''

(ایشیا 14 دسمبر 1968ء صفحہ 18)

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ گویا میاں طفیل محمد صاحب کے نزدیک یحیٰی خان صاحب اُس سلسلہ کو بحال کرنے جا رہے تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے منقطع ہوا تھا۔چنانچہ اس طرح جماعت اسلامی نے دورِ آمریت میں حکمرانوں کی ہمدردیاں حاصل کیں۔گویا وہ بھی اخوان المسلمین کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔لیکن شیخ حسن البنّا کہتے تھے کہ حصولِ اقتدار کیلیے مناسب تیاری ضروری ہے۔

چنانچہ وہ اپنے متبعین سے خطاب فرماتے ہوئے اعلان کرتے ہیں:''مسلمان بھائیو جب تم تین سو جتھے روحانی، اخلاقی، سائنسی، ثقافتی اور جسمانی تعلیم و تربیت سے اچھی طرح آراستہ کر لو گے تو اس وقت مجھے کہنا میں تمہارے ساتھ سمندروں کی گہرائیوں میں اُتر جاؤں گا۔فلک کو چیر دوں گا۔ہر ایک حریف سخت جاں سے نبرد آزما ہو جاؤں گا۔'' Volatile Social Movement :Chistine Sixta Rinehart

(And The Origins Of Terrorism. Lexington Books, U.K. page 19

اخوان المسلمین نے اپنا ایک فوجی یونٹ نظام خاص کے عنوان سے قائم کر لیا جو کہ نوجوانوں میں حربی روح قائم کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کرتا تھا۔

حسن البنّا نے محسوس کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اقتدار پر ہاتھ ڈالا جائے۔ان دنوں مصر حکومتِ برطانیہ کی سرپرستی میں تھا۔حسن البنّا نے وزیراعظم محمود النقراشی (1888-1948ء) پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ جلد از جلد برطانیہ کا جوا گردن سے اُتارے۔النقراشی برطانیہ سے مذاکرات کر رہے تھے لیکن حسن البنّا اور اُن کا فوجی یونٹ نظام خاص مطمئن نہیں تھا۔انہیں بین الاقوامی صورتِ حال کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔چنانچہ اُنہوں نے النقراشی حکومت کے خلاف مظاہرے شروع کر دیے جو کہ حکومت کے استعفیٰ پر منتج ہوئے۔لیکن النقراشی حکومت دوبارہ برسرِ اقتدار آ گئی اور اب انہوں نے اخوان المسلمین کے ساتھ سختی سے نپٹنے کا فیصلہ کیا۔اس تلخ صورت حال میں وزیراعظم النقراشی کا قتل ہو گیا۔

(From Pulpit To Party. Page 17:SalwenSarah F)

حسن البنّا کو اب احساس پیدا ہوا کہ سیاست کا راستہ غلط تھا چنانچہ اس نے اعلان کیا کہ ہمیں ملک کا معیار مذہبی، سماجی اور معاشی طور پر بلند کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔اور سیاست کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔

(The Muslim Brotheren, Ishaq Musa. Page 21)

کی میرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زودِ پشیماں کا پشیماں ہونا

تاہم جو سلسلہ کشمکش کا وزیراعظم النقراشی کے قتل سے شروع ہوا وہ 12 فروری 1949ء کو حسن البنّا کے قتل پر منتج ہوا۔اس سے اس تحریک کو ایک دھچکا لگا۔یہ تحریکیں دراصل جدید دَور میں اسلام کے احیاء کے لیے اٹھیں لیکن ان تحریکوں کے رہنما امت مسلمہ کے اصل مسئلہ کا اندازہ نہ کر سکے۔وہ یورپ کی فاشسٹ تحریکوں سے متاثر تھے اور اسی انداز میں وہ اسلام کا احیاء چاہتے تھے ان کا تصورِ اسلام سطحی تھا۔ان کے پاس نہ تو دیدہ بینا تھا اور نہ قلبِ مطہر کہ وہ اسرار کو سمجھ سکتے جیسا کہ بانی جماعت احمدیہ نے فرمایا:''خدا کی پاک کتاب کے اسرار کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو پاک دل اور پاک فطرت... رکھتے ہیں۔دنیوی چالاکیوں سے آسمانی علم ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے'' (ست بچن، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 126)

پھر برکات الدعا میں فرماتے ہیں کہ''جب تک انسان صاحبِ حال نہ ہو اور اس

تنگ راہ سے گزرنے والا نہ ہو جس سے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں۔ تب تک مناسب ہے کہ گستاخی اور تکبر کی جہت سے مفسّر القرآن نہ بن بیٹھے ورنہ وہ تفسیر بالرائے ہوئی جس سے نبی علیہ السلام نے منع فرمایا ہے۔'' (برکات الدعا، صفحہ 19)

چنانچہ یہ لیڈرز مزاج شناس رسول ہونے کا دعویٰ کرنے لگے اور قرآن کی غلط تفسیریں کر کے اپنے ایجنڈے کو آمروں کی مدد سے آگے بڑھانے لگے اور نوجوان نسل کے ذہن مسموم کر کے ان کو نام نہاد جہاد کی آگ میں دھکیل دیا اور وہ آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے۔ ان نوجوانوں کو استعماری طاقتوں نے سوشلزم کے خلاف جنگ میں ایندھن کی طرح استعمال کیا۔ یہ استعماری طاقتیں اپنا مطلب پورا کر کے چلتی بنیں اور ملک دہشت گردی کا شکار ہو گئے ہزاروں معصوم جانیں ضائع ہوئیں اور ابھی تک اس فتنہ سے نجات نہیں ملی۔ عالم اسلام کا اصل مسئلہ بقول مشہور مؤرخ ٹائن بی'' اسلام ایک مرتبہ پھر مغرب سے نبرد آزما تھا اور اس کی پشت دیوار سے لگی ہوئی تھی اس مرتبہ اس کی مشکلات صلیبی دَور کے نازک دَور سے بھی زیادہ تھیں کیونکہ اہل مغرب کی برتری نہ صرف سامان حرب میں تھی بلکہ معیشت میں بھی تھی جس پر آخر کار فنون جنگ کا انحصار ہوتا ہے۔ لیکن سب سے بڑھ کر اس کی برتری اخلاقی، روحانی ثقافت میں تھی جو کہ وہ اندرونی قوت ہے جو تہذیب کے مظاہر کو جنم بھی دیتی ہے اور اسے قائم بھی رکھتی ہے۔''

(Arnold Joseph Toynbee, Civilization on Trial. Page 187)

یہاں ٹائن بی نے مغرب کی اخلاقی اور روحانی روایت کا ذکر کیا ہے جو کہ ان مفکرین کی نظر میں نہیں تھی چنانچہ ضرورت تھی اخلاقی اور روحانی احیاء کی لیکن بقول بانی جماعت احمدیہ ''وہ جو خود اندھا ہے وہ کیونکر تمہیں دکھاوے گا۔'' (کشتی نوح صفحہ 24)

بانی جماعت احمدیہ یہی صراطِ مستقیم دکھانے کے لیے آئے تھے جس پر چل کر امت مسلمہ اپنی روحانی و اخلاقی تکمیل کر سکے۔ اسلامی تاریخ کا مدنی دَور جس میں وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا (النصر: 3) کا نظارہ دیکھا گیا اس سے پہلے ایک مکی دَور بھی ہے۔ جس میں ایک فانی فی اللہ کی اندھیری رات کی دعائیں ہیں اس دَور میں امت مسلمہ تزکیہ اور تربیت کے دَور سے گزرتی ہے جس کے بعد فتوحات کے دروازے کھلتے ہیں۔ لیکن ان جدید تحریکوں کے قائدین کی نظر میں اس دَور کی کوئی اہمیت نہیں اُن کے نزدیک ایک فانی فی اللہ کی اندھیری رات کی دعائیں اور انفاس قدسیہ تاثیریں نہیں بلکہ تلوار دلوں کے زنگ اتارتی ہے۔ اور وہ تلوار کے حصول کے لیے دیوانے ہو گئے لیکن ان کی ڈیڑھ سو سال کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ انہیں نہ صرف ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ امّت مسلمہ کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہی سچ فرمایا کہ

یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا

حرف آخر: ماہرین تاریخ کے نزدیک ہیروڈین اور Zealot جواب (رسپانس) سطحی جواب میں اور کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتے۔ کامیاب جواب وہ ہوتا ہے جو گہرائی سے آتا ہے۔ جس کے امکان کی طرف اشارہ ملتا ہے کیونکہ مشہور مؤرخ ٹائن بی کے مطابق فطرت خلا کو نہ تو مادی دنیا میں پسند کرتی ہے نہ ہی روحانی دنیا میں۔ وہ مغربی تہذیب جو اس روحانی خلا کو پُر کرنے میں ناکام رہی ہے اُس نے اٹھنے والی کسی بھی تحریک کے ہاتھ میں بے مثال ذرائع رسل و رسائل دے دیے ہیں۔

(Civilization On Trial, Page 208)

یہ واضح رہے کہ ٹائن بی احمدیہ تحریک کو بھی ایسی تحریک میں شامل سمجھتا ہے جو کہ مغرب کے چیلنج کے جواب میں سامنے آئی اور روحانی خلا کو پُر کر سکتی ہے جسے مغربی تہذیب پُر کرنے میں ناکام رہی ہے۔ اور مغربی تہذیب اپنے مادی ذرائع رسل و رسائل کے ذریعے سے غیر شعوری طور پر اس کی مدد کرے گی جس طرح رومن سلطنت کی سڑکوں کی تعمیر سے عیسائی مبلغین کو فائدہ پہنچا اور وہ عیسائیت کا پیغام مغرب میں پھیلانے میں کامیاب ہو گئے۔ حیرت انگیز طور پر جو بات ٹائن بی 1948ء میں تحریر کر رہا ہے بانی جماعت احمدیہ اس کا ادراک اپنی خداداد روحانی بصیرت سے 1900ء میں کر رہے تھے۔ فرماتے ہیں:

''خدا نے اپنی اس پیشگوئی کے پورا کرنے کے لئے کہ مسیح کی منادی بجلی کی طرح دنیا میں پھر جائے گی یا بلند مینار کے چراغ کی طرح دنیا کے چار گوشہ میں پھیلے گی زمین پر ہر ایک سامان مہیا کر دیا ہے اور ریل اور تار اور اگن بوٹ اور احسن انتظاموں اور سیر و سیاحت کے سہل طریقوں کو کامل طور پر جاری فرما دیا ہے۔'' (روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 17)

اور بانی جماعت احمدیہ نے یہ بھی کہا کہ ''جو لوگ مسلمان کہلا کر صرف یہی بات جانتے ہیں کہ اسلام کو تلوار سے پھیلانا چاہئے وہ اسلام کی ذاتی خوبیوں کے معترف نہیں ہیں اور ان کی کارروائی درندوں کی کارروائی سے مشابہ ہے۔'' (تریاق القلوب) کیا تاریخ اس کی شہادت نہیں دیتی کہ گو جماعت احمدیہ کی راہ میں کوہ گراں ڈالے گئے لیکن کیا اس کو کوئی روک سکا؟

جے تُوں منّیں تے دساں اِک گل
چَن سُورج نے دووِیں ساڈے وَل
پار لنگناں ای تے نال ساڈے چَل
چَل پتن چنا دے مل

# بچھڑے ہوئے ساتھ!!

(افسانہ نگار: محمد نعیم یاد۔ جوہر آباد پاکستان)

بیس برس بعد میں واپس لوٹتا ہوں۔۔۔۔۔

گھر کو جاتی وہ تنگ تاریک گلیاں۔۔۔جن میں کئی گھروں کی دیوار پہ سیمنٹ کی بجائے اُپلے لگے تھے۔ساری گلی ویران اور خاموش ہے۔میں گھر کے صدر دروازے کے پاس جاتا ہوں۔دروازہ میری دستک دیے بغیر ہی کھل جاتا ہے جیسے اتنے برس سے وہ میری آمد ہی کا منتظر ہو۔

صحن میں بارش کا پانی کھڑا رہنے کی وجہ سے ہر طرف گھاس اور جڑی بوٹیاں اُگی ہیں۔میں نیچے بیٹھتا ہوں اور مٹھی بھر گھاس توڑ کر ہاتھوں میں لے کر سونگھتا ہوں۔بیس برس پہلے کی خوشبو۔۔۔۔مجھے یاد تھا ماں جی برسات کے آتے ہی ہمیں حکم صادر کرتیں کہ کام کر کے گھاس اکھیڑ لینا نہیں تو سانپ، بچھو آ جائیں گے۔ہم سب مل کر ہاتھوں سے گھاس کو اکھیڑتے۔جب کام سے فارغ ہوتے تو ہاتھوں میں گھاس کی خوشبو برقرار رہتی۔ہم صابن سے رگڑ کر ہاتھ دھوتے پر اس کی خوشبو دماغ میں ایسی سما جاتی کہ سارا دن برقرار رہتی۔

میں گھاس پہ چلتا آگے بڑھتا ہوں۔سامنے سیڑھیوں کے پاس جامن کا پیڑ، جس کی ٹہنیوں پہ اب کچھ ہی پتے باقی ہیں۔شاخوں پہ ہریالی ختم ہو چکی تھی اور سفیدی اُتر آئی تھی۔لگتا تھا اس نے پھل دینا بند کر دیے تھے۔میں اس کے اور نزدیک جاتا ہوں اور اس کے بڑے سے تنے کو غور سے دیکھتا ہوں۔کچ کے برتن کے ٹکڑے سے کھرچ کر لکھے گئے کچھ لفظ ابھی بھی نمایاں ہیں۔جو آپا اور میں نے مل کر لکھے تھے۔اُس وقت ہم سوچتے تھے کہ محبت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی کوئی نشانی قائم کی جائے۔ہم سب سارا دن سوچتے رہے تھے پھر آپا نے درخت پہ نام لکھنے کا مشورہ دیا تھا کہ درخت کے بڑے ہونے تک یہ نام پختہ ہوتے جائیں گے اور کبھی نہیں مٹیں گے۔واقعی نام پختہ ہو گئے تھے اور ابھی تک ویسے ہی تھے۔

میں بڑی مشکل سے آگے بڑھتا ہوں۔پیار کا دروازہ کھلا تھا میں اندر جاتا ہوں فرش کی جگہ ہاتھوں سے لپائی کی ہوئی مٹی کے فرش سے خوشبو میرے ساتھ ٹکراتی ہے میرے آنسو بہنے لگتے ہیں۔۔۔ماں جی اپنے ہاتھوں سے ہر سال اس کی لپائی کرتی تھیں۔گرمیوں میں ہمارا سارا دن پیار میں ہی گزرتا۔ابا جی چارپائی پہ حقہ لیے لیٹے ہوتے۔میں پیار میں مٹی کے بھرولے کو دیکھتا ہوں جو کبھی اناج سے بھرا ہوتا تھا مگر اب کب کا خالی ہو چکا تھا۔بھرولے کے اوپر میری نظر ریڈیو کی بھوری جیکٹ پہ پڑتی ہے تو میں اسے اُٹھا کر مٹی سے صاف کر کے باہر لاتا ہوں۔میں اسے ٹٹولنے لگتا ہوں جیسے اس کے اندر فٹ ہونے والا ریڈیو ابھی بجنے لگے گا۔ابا جی کے پاس پرانا سا ریڈیو تھا۔یہ پہلی بار ہوا تھا کہ انھوں نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ شہر سے ان کے لیے کوئی اچھا سا ریڈیو لا دوں۔میں نے بڑی مشکل سے یہ ریڈیو پسند کیا تھا اس کے اوپر بڑا مضبوط لیدر کا کوّر تھا۔ابا جی کو بڑا پسند آیا میں جب بھی گھر آتا ابا جی رات کو پیار کی چھت پہ ریڈیو لگا کر سنتے۔وہ پرانی موسیقی کے دلداہ تھے۔دُکھ بھرے گیتوں سے انھیں بہت دلچسپی تھی۔میں نے کئی بار انھیں ان گانوں پہ روتے دیکھا تھا۔ابا جی کی وفات پہ کسی نے وہ ریڈیو چرا لیا تھا مگر لیدر کا کوّر پھینک گیا تھا۔میں اسے اپنی جیب میں ڈالتا ہوں اور اپنے کمرے میں جاتا ہوں۔

دیواروں پہ جا بجا لگی میرے ہاتھوں کی لکیروں کے نشان ابھی بھی موجود تھے۔ماں جی میری اس حرکت سے بہت تنگ تھیں۔وہ کئی بار چونا منگواتیں اور ان کو مٹانے کی کوشش کرتی رہتیں پر میں پھر سے نئی لکیریں لگا لیتا۔میرے کمرے میں اب سوائے اندھیرے اور خاموشی کے کچھ نہ تھا۔کتابوں کی الماری کی لکڑی کو دیمک جگہ جگہ سے کھا چکی تھی۔میں جیب سے ٹارچ لے کر ایک بار کمرے کی ساری دیوار پہ روشنی ڈالتا ہوں اچانک مجھے ایسے لگا جیسے میرے اندر کوئی چیز زور سے اُچھلی ہو۔ٹھہرے ہوئے پانی میں حرکت ہوئی ہو اور میری نظر وال کلاک پہ پڑتی ہے۔جانے یہ کیسے یہاں پہ بچ گئی تھی۔میرے قدم تیزی سے اس کی طرف دوڑتے ہیں اور میں اسے دیوار سے اتار کر دیکھتا ہوں۔میں اس پہ برسوں کی جمی دھول کو ہاتھوں سے صاف کرتا ہوں

تو اس کے اندر لگی رُکی ہوئی سوئیاں مجھے وقت دکھانے لگتی ہیں۔ بالکل وہی وقت، جانے وقت وہاں ٹھہر گیا تھا جہاں گھڑی نے اس کے بعد چلنا چھوڑ دیا تھا وہی آٹھ بجے کا وقت۔ میرا پورا جسم کپکپانے لگتا ہے اور میں بڑی مشکل سے خود کو سہارا لیے باہر آتا ہوں مگر بیس برسوں کا رُکا ہوا وقت مجھے پھر سے بیس برس پیچھے لے جاتا ہے۔۔۔

میں گاؤں کو لوٹ رہا تھا جب بڑی نہر کے پُل کے پاس وہ مجھے ملی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ تمھارے ابا نے تمھاری آپا کا رشتہ طے کر دیا ہے۔ میں نے تیزی سے سائیکل گھمائی اور گھر کو پہنچا۔ آپا کا اُداس اور خاموش چہرہ دیکھ کر ہی کچھ اندازہ ہو گیا تھا مگر اصل صورتحال اس وقت سامنے آئی جب ابا جی نے بتایا تھا کہ انھوں نے برسوں کی پرانی دشمنی مٹانے کی خاطر آپا کا رشتہ ان کے ہاں کر دیا تھا۔ مجھے دُکھ ہوا اتنا بڑا فیصلہ بغیر کسی سے پوچھے، آپا چپ تھیں وہ بول بھی کیا سکتی تھیں۔

شہر واپس گیا تو سارا دن ان کا اداس چہرہ سامنے رہتا۔ میں نے ابا جی کے سامنے احتجاج بھی کیا تھا مگر ان کا کہنا تھا انھوں نے یہ فیصلہ برادری میں بیٹھ کر کیا ہے۔ اور ویسے بھی اتنی پرانی دشمنی اگر ایک رشتے پہ ختم ہوتی ہے تو اور کیا چاہیے۔ ٹھیک ہی تو کہتے تھے وہ عورت تو ہمیشہ سے ہی قربان ہوتی آئی ہے۔ میں ابا جی کو منانا جانتا تھا میں نے ایک رات پھر اُن سے تنہائی میں بات کی۔ وہ بولے پتر! تم کیا سمجھتے ہو مجھے میری بیٹی عزیز نہیں۔ میں نے یہ فیصلہ ایسے ہی نہیں کیا۔ میں کئی سالوں کی دُشمنی ختم کرنا چاہتا ہوں تم دونوں کی کل آنے والی نسلوں کے لیے۔ وہ بھی اپنا ہی خون ہیں بس تھوڑی ناراضگیاں تو ہو ہی جاتی ہیں انھوں نے یقین دلایا ہے کہ میری بیٹی کو ہمیشہ خوش رکھیں گے۔

ابا جی کی بات سن کر میں خاموش ہو گیا پر اس کے باوجود میں سارا دن آپا کے لیے کچھ کرنے کا سوچتا رہتا۔ زندگی کا کتنا حصہ ہم نے مل کر گزارہ تھا۔ مجھے ان کی شوخیاں، محبتیں، پیار اور رکھ رکھاؤ یاد آتا۔ وہ گھر جہاں ہر شام ریتک چراغ جلا کرتے تھے جہاں رات گئے رونقیں اور گپ شپ کی محفلیں سجا کرتیں تھیں سب معدوم ہو گئیں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ جمعرات کو شاہ جی کی خانقاہ پہ قوالی ہوتی تو گاؤں میں رونق بڑھ جاتی۔ شام کو زردہ پکتا تھا، چودھریوں، زمینداروں کے کمی کار اور مزارعے زیادہ تر ادھر ہوتے۔ رات کو گویے اور سازندے آخری چوکی بھرتے تو درد بھرا راگ دور دور تک سنائی دیتا۔ میں چھت پر چلا جاتا مجھے درد بھرا راگ بہت بھاتا تھا۔ خاص طور پر جب میں شہر پڑھنے چلا گیا اور ہاسٹل میں رہتا تو وہ وہی راگ میرے اندر بجتا رہتا۔ جانے کیوں آدمی اپنوں سے جتنا دور ہوتا جائے دُکھ بھرے راگ اس کی پسند بنتے جاتے ہیں۔ ان دکھ بھرے راگوں میں ایک اور راگ بھر گیا تھا وہ تھا آپا کا۔۔۔ انھوں نے شادی کی تاریخ طے کر دی تھی اور گھر والے آپا کی شادی کی تیاری کر رہے تھے۔ مجھے آپا کی خاموشی سے ڈر لگتا تھا وہ کچھ نہ بولتی تھیں میں نے کئی بار ان کو اعتماد میں لے کر ان کا ساتھ دینے کو کہا تھا مگر جانے کیوں وہ چپ سی ہو گئیں تھیں۔ ماں جی آپا اس کا پورا خیال رکھتی مگر شوہر اس کے فیصلے کے آگے وہ بھی خاموش تھیں۔ شادی کے دن قریب تھے اور ابا جی نے مجھے چھٹیاں لے کر گھر آنے کو کہا تھا۔ میں گھر آیا تو بہت سے کام باقی تھے۔ بددلی سے ہی سہی پر اب کام تو نمٹانے تھے۔

شادی کا دن آیا تو میں آپا کے کمرے میں بہانے بہانے سے جاتا۔ ان کو دیکھتا تو آنکھیں نَم ہو جاتیں۔ رات کو ان کے نکاح کی رسم ہوئی اور صبح کو بارات نے آنا تھا۔ اگلے دن کا سورج نکلا تو مہمانوں اور باراتیوں کے کھانے پینے کا انتظام کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دن کافی گزر گیا پر وہاں سے کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ دل میں عجیب سے ہول اُٹھ رہے تھے۔ کھانے کا وقت گزر رہا تھا اور مہمانوں سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔ کھانا شروع کروایا اور ان کے ہاں کا بندہ بھیجا گیا کہ پتہ کیا جائے کہ کیا مسئلہ ہے بارات کیوں نہیں آئی؟ پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ وہاں برات کی کوئی تیاری نہیں تھی انھوں نے یہ کہ کر برات لانے سے انکار کر دیا کہ ہم نے لڑکی کو گھر لے کر نہیں آنا۔ اتنے سالوں کی دشمنی اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوتی اب تمھاری بیٹی ہمیشہ ایسے ہی گھر میں رہے گی۔

ابا جی یہ سندیسہ سنتے ہی سکتے میں چلے گئے ماں جی واویلا کرنے لگیں۔ کہرام سا مچ گیا، ایک طرف ابا جی حالت خراب تھی تو دوسری طرف ماں جی کی۔ تانگے پہ بڑی مشکل سے ابا جی کو بٹھایا کہ ہسپتال لے جا سکیں، مگر ان کی صحت جانبر نہ ہو سکی اور وہ راستے میں ہی وفات پا گئے۔ خوشیوں بھرے گھر میں موت نے جو دستک دی تو ایسی دی کہ سب کو کچھ ساتھ لے گئی۔ ماں جی بھی یہ صدمہ برداشت نہ کر سکیں اور کچھ دنوں بعد وہ بھی وفات پا گئیں۔ ایک ساتھ اپنوں کا ساتھ یوں چھوٹ جائے گا کبھی سوچا نہ تھا۔ اب ایک طرف میں تھا اور

دوسری طرف آپا جو پہلے پریشانی میں تھیں اور اوپر سے ماں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ برداری کے لوگ بدلہ لینے کی بات کرتے مگر ہم نے بدلہ لے کے اب کیا کرنا تھا۔ کچھ دن گزرے تو کچھ کرنے کا سوچا۔ سب سے پہلے یہی خیال آیا کہ آپا کو خوشیاں دینی ہیں۔ میں شہر میں اچھی سی نوکری کی تلاش میں تھا۔ اور اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مجھے ایک اچھے ادارے میں ملازمت مل گئی۔ میں شہر میں کام کو جاتا اور رات کو بس پکڑ کر گاؤں لوٹ آتا۔ آپا میرا انتظار کرتی رہتیں۔ میں شہر میں مکان کی تلاش میں تھا تا کہ آپا کو لے کر شہر آ جاؤں ایک دوست سے بات کی تو اس نے نہایت مناسب نرخ پہ چھوٹا سا مکان ڈھونڈ دیا۔ دام مناسب تھے اور میں نے مکان خرید لیا۔ میں نے آپا کو خوشی سے بتایا مگر ان کے چہرے پہ خوشی کے کوئی آثار نہ تھے۔

انھوں نے خالی نظروں سے مجھے دیکھا اور بولیں جانتے ہو مجھے اس گھر کی دیواروں سے آج بھی ماں باپ کی خوشبو آتی ہے۔ میں یہ گھر چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ تم جاؤ میں تمھیں منع نہیں کروں گی۔

پر آپا۔۔۔۔ میرے الفاظ وہیں رہ گئے انھوں نے میرے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔ جانتے ہو میں شادی کا سن کر اداس کیوں تھی؟ اس لیے نہیں کہ میں وہاں شادی کرنا نہیں چاہتی تھی یا اباجی کے فیصلے پہ رضامند نہیں تھی بلکہ اس بات پہ اُداس رہتی تھی کہ میں ماں جی اور اباجی سے دور ہو جاؤں گی۔

میرے پاس جواب کے لیے الفاظ نہیں تھے۔ بس آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ انھوں نے میرے سر پہ بڑی شفقت سے ہاتھ پھیرا اور پھر میرے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور ہم مل کر رونے لگے۔

تین سال وہ میرے سر پہ ماں باپ کی شفقت اور محبت کا سائبان بن کر زندگی گزارتی رہیں۔ میں نے کئی بار ان سے شادی کا ذکر کیا پر وہ انکار کر دیتیں۔ آخری سال انھوں نے میری بڑی دھوم دھام سے شادی کی۔ میری بیوی شہر کی پڑھی لکھی لڑکی تھی مجھے ڈر تھا کہ وہ گاؤں میں شاید نہ رہ سکے مگر آپا کی محبت سے وہ اتنی متاثر ہوئی کہ اس نے شادی پہ رضامندی کی شرط بھی یہی رکھی کہ وہ شادی کے بعد گاؤں رہے گی۔ مجھے اور کیا چاہیے تھا۔ ایک عورت ہی دوسری عورت کے دُکھ درد کو سمجھ سکتی ہے میں خوش تھا کہ آپا کو کوئی تو مل گیا۔ پر آپا کا سایہ ہم دونوں کے سر پہ مزید ایک سال ہی رہا اور ایک رات جب میں گھر پہنچا تھا۔ باہر بہت تیز طوفان تھا۔ درخت ٹوٹ رہے تھے۔ بادلوں کی گرج اور چمک رات کی تاریکی کو اور خوفزدہ بنا رہی تھی آپا کی طبعیت ناساز تھی۔ وہ میرے کمرے میں لیٹی تھیں۔ میری بیوی اس کے سر پہ پانی کی پٹیاں گیلی کر کے رکھ رہی تھی مگر بخار بڑھتا جا رہا تھا اور پھر میری نظر سامنے لگی گھڑی پہ پڑی تھی آٹھ کا وقت تھا۔ جانے کیوں مجھے لگا تھا وقت تھم گیا ہے۔ چمکتے گرجتے بادلوں کی گڑگڑاہٹ ایک دَم خاموش ہو گئی ہو۔ ہوا کا زور رُک گیا ہر چیز ساکت ہو گئی ہو میں نے گھبرا کے اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھا تھا اس پہ بھی آٹھ کا وقت تھا میں نے جلدی سے آپا کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ گہری خامشی۔۔۔۔ سکون سے بھرا وہ چہرہ بتا رہا تھا کہ جیسے تین سالوں کی بے قراری کو قرار آ گیا ہو۔ میری زور سے چیخ نکلی تھی اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ تھا۔

آپا کے اس دنیا سے جانے کے بعد جانے کیوں کہ ہمارا اس گھر میں جی نہ لگتا۔ مجھے ہر طرف ماں جی اباجی اور آپا کا چہرہ نظر آنے لگتا رات کو سو نہ پاتا۔ میری بیوی کی بھی یہی حالت تھی۔ پھر بڑی مشکل سے ہم نے فیصلہ کیا کہ شہر میں بنائے ہوئے مکان میں چلتے ہیں۔ وقت گزرتا گیا شہر کی رونقیں مجھے اپنی طرف کھینچتیں، خوبصورت چمکتی لشک مارتی گاڑیوں میں نئے گانوں کے گیتوں کی آوازیں میرے اندر سازندوں قوالوں کے رس بھرے راگوں کو دھندلا کرنے کی کوشش کرتیں مگر جانے کیوں میرے دل میں بس وہی دُکھ بھرے راگ بس چکے تھے۔ بیس برس کا وقت ایسے ہی گزر گیا۔ سنگ کے کئی ساتھی بچھڑے اور کئی نئے ساتھی ملے۔ میرے قدم گاؤں کی طرف کبھی نہ بڑھے شاید اس لیے کہ میں ڈرتا تھا۔ میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میرے بچے اب بڑے تھے۔ اپنا اچھا بُرا سمجھتے تھے مجھے کبھی ان کی طرف سے پریشانی نہیں اُٹھانی پڑی تھی۔

پچھلے ایک ہفتے سے عجیب سا ہو رہا تھا میری حالت عجیب تھی۔ رات کو سوتا تو کبھی اباجی کبھی ماں جی اور کبھی آپا کا چہرہ سامنے آ جاتا۔ میں نے ہمت کی بیوی بچوں کو بتایا اور گاؤں جانے کا پروگرام بنایا اور اب بیس سال بعد ایسے لگ رہا تھا جیسے سب کچھ واپس لوٹ آیا ہو۔ آج اندازہ ہو رہا تھا کہ آپا نے گاؤں نہ چھوڑنے کا فیصلہ کیوں کیا تھا۔ میں آگے بڑھ کر گھڑی کو دیوار سے اتارتا ہوں اور باہر روشنی میں لاتا ہوا سیڑھیوں کے ذریعے چھت پہ جاتا ہوں۔ میرے جیب میں ٹارچ لائٹ تھی جو احتیاطاً میں نے گاؤں آتے رکھ لی تھی۔ میں ٹارچ سے سیل نکال کر گھڑی میں ڈالتا ہوں۔ ایک گڑگڑاہٹ سی ہوتی ہے اور گھڑی کی سوئیاں اسی رفتار سے چلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ ایسے لگتا ہے وقت پھر سے پلٹ رہا ہو۔ میں چھت کی منڈیر کے پاس جاتا ہوں۔ گویوں اور سازندوں کے درد بھرے سازوں کی آواز میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ ماں جی، اباجی اور آپا کے دھندلے عکس واضح ہونے لگے اور میں کئی سالوں کی دوری کو توڑتا، سیڑھیوں سے نیچے دوڑتا ہوا ان کے ساتھ لپٹ جاتا ہوں۔

☆☆☆

## پھیکی چائے (تحریر: ہیر داتا۔لندن)

کچھ لوگ چائے میں چینی اس لیئے نہیں ڈالتے کہ اس کا ذائقہ بدل جاتا ہے اور کچھ لوگ چینی یہ کہ کر ڈالتے ہیں کہ چائے کیا پینی اگر اس میں چینی نہیں۔ کچھ لوگ تو ایسا کہتے ہیں کہ تین چار چمچ ڈال دو، کم ہوئی تو اور ڈال لوں گا۔ بعض تو ہنس کر یہ بھی کہہ دیتے ہیں کے اتنی چینی ڈالو کہ چمچ اس میں کھڑی ہو جائے۔ چائے اور چینی والے لوگوں کی ایک اور قسم بھی ہوتی ہے، یہ ہیں شوگر کے مریض جن کو چینی اچھی تو لگتی ہے مگر اس بیماری کی وجہ سے لے نہیں سکتے۔ روز اخبار اور ٹی وی میں چینی کے مضر اثرات بتائے جاتے ہیں۔ بہت دفعہ چاہا کہ اس پر عمل کروں مگر نجانے کیوں چائے چینی کے بغیر پی نہ سکا۔ یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ یونہی چلتا رہا۔ مجھ پر اوپر کہی گئی کوئی بات اگر چہ درست نہیں بیٹھتی مگر پھر بھی میں نے اب پھیکی چائے پینی شروع کر دی ہے۔ زندگی پر غور کروں تو یہ خوشیوں بھری نظر آتی ہے۔ ایک متواسط گھر میں پلا بڑھا، اچھی تعلیم ملی، اچھا کام ملا اور پھر وقت کے ساتھ ایک اچھا جیون ساتھی بھی مل گیا۔ زندگی کچھ اور ہی اچھی گزرنے لگی اور پھر اس سکوں بھری زندگی کے ساتھ وقت گُزرنے کا پتا ہی نہ چلا کہ کب بچے ہوئے، کب پلے بڑھے، کب ان کی شادیاں ہوئیں اور پھر نہ صرف

وہ اپنے گھروں میں خوشی خوشی رہنے لگے بلکہ انکے بچوں نے ہماری زندگی میں ایک نیا رنگ بھر دیا۔ گویا زندگی ایک بار پھر چالیس سال پہلے والی ہوگئی، گویا انسان پھر سے جوان ہوگیا، مگر اس کے ساتھ ساتھ زندگی نے ایک نیا رخ لیا۔ نئے ننھے وجودوں کی محبت میں نجانے کیوں یہ احساس شدت سے ہونے لگا کہ میرا اپنا ساتھی انکی محبت میں مجھ سے دور ہو رہا ہے۔ اب ہم میں دوری آنی شروع ہوگئی ہے۔ پیار چیز ہی ایسی ہوتی ہے کہ اس میں رقابت بری لگتی ہے چاہے یہ رقیب بھی آپ کو اچھا کیوں نہ لگتا ہو۔ نہ جانے کیوں یہ احساس ہونے لگا کہ وہ اب پھیکی پھیکی ہونے لگی ہے۔ چونکہ وہ اب بھی اچھی لگتی ہے اس لیئے اب پھیکی چائے بھی اچھی لگتی ہے۔۔۔

## ''جو راہ میں چھوڑ دے وہ ہمسفر اچھا نہیں لگتا''

مجھے بندوں کے آگے جھکتا سر اچھا نہیں لگتا — جو راہ میں چھوڑ دے وہ ہمسفر اچھا نہیں لگتا
نئے رستے نئی امید کی اک لَو دیکھاتے ہیں — ''مجھے پامال رستوں کا سفر اچھا نہیں لگتا''
جو دیکھا فائدہ تو لوگ خود کو بیچ دیتے ہیں — مگر بکتا ہوا مجھ کو بشر اچھا نہیں لگتا
پرانے یا نئے دیوار و در ہوں اس سے کیا مطلب — جہاں بولے نہ تیرا نام وہ گھر اچھا نہیں لگتا
کسی کا درد سن کر کچھ نہ کرنا اور چپ رہنا — مسیحا نہ بنے وہ چارہ گر اچھا نہیں لگتا
کسی نے اپنی محنت سے سنوارا ہے نصیب اس کا — بنا پھرتا ہے اب رشک قمر اچھا نہیں لگتا
پڑا بکھرا زمیں پر گھونسلا صیاد کے ہاتھوں — پرندے کا بھی گھر ٹوٹے مگر اچھا نہیں لگتا
بہادر ہے وہی غصے میں خود کو تھام لے بشریٰ — گرے کو دیکھ کر ہنسنا مگر اچھا نہیں لگتا

(کلام: محترمہ بشریٰ حفیظ صاحبہ۔ ایڈمنٹن۔ کینیڈا)

# ہومیو پیتھک نُسخہ جات

## برائے جلد، خارش، ایگزیما

وَإِذَا
مَرِضْتُ
فَهُوَ يَشْفِيْن

## جلد، خارش، ایگزیما

اگر پیٹ پر بھورے داغ ہوں۔ لائیکو پوڈیم

جسم کے رنگ کو نکھارنے کے لیے آئیوڈیم بہترین دوا ہے۔۲۰۰ طاقت ہفتے میں تین بار یا دس دن بعد ۱۰۰۰ طاقت میں ایک بار۔

اگر مندرجہ بالا دوا زیادہ فائدہ مند نہ ہو تو کاسٹیکم ۲۰۰ ہفتہ میں دو بار اور لائیکو پوڈیم ہفتہ میں دو بار دینا مفید ہے۔

رنگ کو نکھارنے کے لیے سارسپریلا بھی مفید ہے۔

چہرے پر دانے اور داغ Belladonna 200 روزانہ۔

۲...Silicea+Calc.Flour 6x۔ روزانہ Natrum Mur 200 اور Kali Bich.+Silicea=30

NaevusMole یا Mother,s marke کے لیے تھوجا مدر ٹنکچر تلوں پر صبح شام لگانا اور ۲۰۰ طاقت میں ہفتہ میں تین چار بار دینا نہایت مفید ہے ساتھ کاسٹیکم ۳۰ دن میں دو تین بار دینا چاہیے۔اس دوا کے علاوہ کلکیر یا کارب، فاسفورس اور لائیکو پوڈیم بھی مفید ہیں۔

اگر جلد پر سوزش ہو جائے، جلد سرخ ہو جائے یا جلد پر سخت خارش ہو (جسم کے کسی حصے میں بھی ایسی صورت ہو) تو یہ نسخہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ بیلا ڈونا ۳۰+ سلیشیا ۳۰ یا سلفر ۳۰ + مرک سال ۳۰ + گریفائیٹس ۳۰ + آرسنک ۳۰ + کاسٹیکم ۳۰۔ ملا کر چند دن روزانہ تین بار۔

(حسبِ ضرورت ۲۰۰ میں بھی استعمال کر سکتے ہیں) (شدید ایگزیما ہوتا ہے)

اگر مریض کی پیٹھ پر اکثر پھوڑے نکلتے ہوں اور گردن کی پشت اور دائیں یا بائیں کندھے کے اوپر کاربنکل نکل آتا ہو (کاربنکل اکثر ذیابیطس کی وجہ سے ہوتا ہے) اگر ہومیو پیتھک دوا ٹیرینٹولا ہسپانیہ کی دیگر علامتیں ملتی ہوں تو دونوں تکلیفوں کو شفا ہو سکتی ہے۔

جلد میں دُکھن کا احساس ہو اور ہلکے دباؤ کو بھی برداشت نہ کر سکے۔ ٹیرینٹولا ہسپانیہ (بعض اوقات مریض کپڑے کا وزن بھی برداشت نہیں کر سکتا) تمام جسم میں جلن اور خارش بھی ٹیرینٹولا کی نمایاں علامتیں ہیں۔

جب ٹانکہ میں زہر بھر جائے تو ہائپریکم ۳۰ اور میگنیشیا فاس ۳۰ ملا کر لینا مفید ہے۔

بیڈسور کے لیے آرنیکا ۲۰۰ ہفتہ میں تین بار اور ساتھ کالی میور، فیرم فاس اور سلیشیا ۶ ایکس میں ملا کر روزانہ تین بار لینا مفید ہے۔

اگر تھوڑے سے دباؤ پر جسم پر آبلے پڑ جائیں۔ رننکولس۔ اگر چہرے، گردن، کمر، کھوپڑی اور چھاتی پر چھوٹے چھوٹے پھوڑوں کے نشان ہوں۔ کالی آئیوڈائیڈ خشک خارش کے لیے یہ نسخہ مفید ہے۔ سلفر ۲۰۰ اور بیلا ڈونا ۲۰۰ ہفتہ میں تین بار اور مرک سال ۲۰۰ چند دن روزانہ ایک خوراک بعد میں ہفتہ وار اور ساتھ میں آرسینک، ریڈیم برومیٹم اور کالی میور ملا کر ۳۰ طاقت میں روزانہ تین چار بار۔

جب جلد سے چانے اُتریں آرسینک ۳۰ یا ۲۰۰ لیکسس ۳۰ یا ۲۰۰ ملا کر۔ ۲۰۰ طاقت ہو تو پہلے تین دن روزانہ ایک بار بعد میں ہفتہ میں تین بار اور ۳۰ طاقت میں لینی ہو تو روزانہ تین چار بار۔

اگر چہرے پر چھوٹے چیچک کے نشان ہوں تو ہر پندرہ دن بعد ویریولینم ۲۰۰ اور سارسنیا پی ۳۰ دو بار روزانہ دینا مفید ثابت ہوتا ہے۔ (نوٹ۔ جس دن ویریولینم دی جائے اس دن کوئی دوسری دوا نہ دی جائے)

چہرے کے دانوں اور زخموں کے نشانوں کے لیے جو پھوڑے اور ناسور چھوڑ گئے ہوں کے لیے سلیشیا ۶ ایکس اور کلکیر یا فلور ۶ ایکس ملا کر روزانہ تین بار۔

اگر کتے کے کاٹنے سے زخم کا نشان رہ جائے۔ لوئیسین

پرانے زخموں کے نشان جن کے کنارے سرخ ہو جائیں اور ان پر یا ان کے قریب خارش ہو اور پھنسیاں بنیں۔ ایسڈ فلورا

جلدی امراض میں سلفیورک ایسڈ مفید ہے۔ اس دوا کی بعض علامتیں سلفر سے

سے ملتی ہیں۔

اگر جلد بہت حساس ہو اور ذرا سی رگڑ لگنے سے بھی زخم بن جاتے ہوں یا گٹے پڑ جاتے ہوں۔ سلفر (سلفر چنبل کی بہترین دواؤں میں سے ہے۔مگر محض اس پر انحصار نہیں کیا جا سکتا)

چہرے پر کیلوں کے لیے یہ نسخہ مفید ہے۔بیلا ڈونا، کالی بائیکروم اور سلفر ملا کر ۳۰ طاقت میں روزانہ ایک دو بار اور ساتھ سلیشیا، کالی فاس اور فیرم فاس ملا کر ۶ ایکس میں روزانہ تین بار۔

چہرے پر کیل مہاسوں کے لئے سلیشیا کے ساتھ کالی بائیکروم یا کالی برومیم ۳۰ طاقت میں ملا کر دن میں تین بار بھی مفید ہے۔جوانی کے آغاز پر نکلنے والے دانوں کے لئے جو خاص طور پر تھوڑی پر نکلتے ہوں کے لئے اسٹیریاس روبنز مفید دوا ہے۔

چھالے، خُشک خارش، تر خارش، جلد پر خُشکی سے ایسے چھلکے اُتریں جیسے مچھلی کے پر ہوتے ہیں، خارش سے خون بہنے کا رجحان ہو، پھوڑے پھنسیاں اور جلن کی علامت نمایاں ہو تو سلفر نہایت مفید ہے۔اگر فائدہ نہ بھی دے علامتوں کو واضع کر دیتی ہے۔

سر پر ایگزیما ہو جائے جس میں کوئی پھوڑا پھنسی وغیرہ نہ ہو لیکن شدید درد اور تکلیف ہو۔ سٹیفی گیریا۔(بعض دفعہ اعصاب پر اُبھار اور گومڑ بن جاتے ہیں جن میں شدید درد ہوتا ہے)

تنگ جوتا پہننے سے گٹے پڑ جائیں تو سلفر یا سلیشیا مفید ہیں۔

ہتھیلی کے ایگزیما اور اُنگلیوں کے درمیان نم دار ایگزیما میں نیٹرم سلف ۶ ایکس بہترین ہے۔یہ مرض پرانا بھی ہو تو چھوٹی طاقت سے ہی دور ہو سکتا ہے۔

بازوؤں اور ہاتھوں پر مسوں کے لیے۔ نیٹرم سلف

جلد پر خُشک اور جلن والے دانے بنیں اور زرد سُنہری کھرنڈ اُبھر آتے ہوں جسم پر سُرخ یا زرد رنگ کے داغ نمایاں ہوں، جلد زردی مائل ہو، مہاسے نکلیں، چیونٹیاں رینگنے کا احساس ہو اور ماؤف حصہ میں درد اور ورم ہو۔ نیٹرم فاس

مسوں Warts کے مرض میں تھوجا مدر ٹنکچر مسوں پر لگانا اور ۲۰۰ طاقت میں اندرونی طور پر لینا مفید ثابت ہوتا ہے۔

جسم پر مہاسے نکلنے کا رجحان ہو اور تمام جسم پر مہاسے نکلیں۔ نیٹرم سلف

اگر سوزاک کی وجہ سے فرج یا ذکر پر مسے گوبھی کے پھول کی طرح کے اُگیں تو سٹیفیگیر یا ہر ہفتے ۲۰۰ طاقت کی ایک خوراک مفید ثابت ہوتی ہے۔

اعضائے تناسل یا اس کے اردگرد مسے ہوں۔ تھوجا ۲۰۰ صبح اور شام

اگر مسوں سے سرخ خون بہے فاسفورس اور اگر مسے کٹے پھٹے اور بھیانک ہوں۔نائیٹرک ایسڈ۔زخموں سے بہت خون بہے، زخم ختم ہو کر پھر ہرے ہو جاتے ہوں اور جلد پر نیلگوں داغ پڑیں۔ فاسفورس۔اگر پیشانی اور گالوں پر سُرخ رنگ کے چھوٹے چھوٹے دانے نکل آئیں جنہیں چھونے سے درد ہو، ناک اور منہ کے قریب کیل نکلیں۔ لیڈم

جلدی امراض جو سخت دواؤں کے استعمال سے دب کر انتڑیوں اور اندرونی جھلیوں پر اثر انداز ہوں۔سورائینم (اگر جسم گندہ اور میلا میلا سا رہے جیسے عرصہ سے غسل نہ کیا ہو۔ سورائینم۔مریض گرم ہو تو سلفر اور اگر ٹھنڈا ہو تو سورائینم مفید ثابت ہوتی ہے)

ہاتھ اور پاؤں کی جلن کے لیے تھوجا ۲۰۰ اور سلفر ۲۰۰ ملا کر ہفتہ میں دو تین بار لینا بھی مفید ثابت ہوتا ہے۔اور اگر ہاتھ پاؤں پر بہت پسینہ آئے تو سلفر ۲۰۰ مفید ہے۔

جلد سے بدبو آئے۔ Pulex

## اہم اعلان

پیشوا انٹرنیشنل میں ہومیو پیتھک و دیسی نسخہ جات شائع کرنے کا مقصد خدمت خلق اور قارئین کو علاج بالمثل کے فوائد سے آگاہ کرنا ہے۔کسی بھی ہومیو پیتھک نسخہ یا دیسی ٹوٹکے کو استعمال کرنے سے پہلے کسی مستند ہومیو فزیشن یا حکیم سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔بغیر مشورہ کے نسخہ استعمال کرنا نقصان کا باعث بھی ہو سکتا ہے جس کا ادارہ پیشوا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

(چیف ایڈیٹر۔رسالہ پیشوا انٹرنیشنل لندن)

# شمائل نبوی ﷺ (آنحضرت ﷺ کی صحابہؓ سے رافت، شفقت ومحبت اور صحابہؓ کا عشق رسول ﷺ)

قسط 19

(تحریر وتحقیق: چوہدری ناز احمد ناصر۔لندن)

(گذشتہ سے پیوستہ)

گزشتہ شمارہ میں صحابہؓ کے عشق رسول ﷺ کے واقعات بیان کیے گئے تھے، مزید واقعات پیش خدمت ہیں۔

3۔ حضرت ابوبکر کا آنحضرت ﷺ کی حفاظت: اس کے بعد بھی ہمیشہ ہی حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لیے آپ ﷺ کے آگے پیچھے کمر بستہ رہے اور ہمیشہ آنحضرت ﷺ سے اپنی جان سے بھی بڑھ کر پیار کیا۔ اہل مکہ کے مظالم دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ سے مدینہ ہجرت کی اجازت طلب کی تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکرؓ انتظار کر، شاید اللہ تعالیٰ تمہارا کوئی اور ساتھی پیدا کر دے''۔ یہ بھی دلی پیار کا ایک عجیب اظہار تھا، چنانچہ چند دنوں کے بعد جب کفار مکہ نے دارالندوہ میں آنحضرت ﷺ کے قتل کا مشورہ کیا تو آپ ﷺ کو ہجرت کی اجازت ہوئی۔ آپ ﷺ سب سے پہلے ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ: ''ہجرت کی اجازت مل گئی ہے''۔ حضرت ابوبکرؓ پہلے ہی تیار تھا، فوراً بولے: "اَلصُّحبَۃَ یَا رَسُولَ اللّٰہ! کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے بھی ہمراہ لے چلیں''۔ آپ کی بیٹی اسماء کہتی ہیں کہ: ''ابوبکرؓ نے ہجرت کے لیے کچھ رقم بچا کر رکھی ہوئی تھی، وہ ساتھ لے گئے، باقی پہلے ہی راہ خدا میں خرچ کر چکے تھے''۔

4۔ ہجرت مدینہ: ہجرت مدینہ کے مبارک سفر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفاداری اور جاں نثاری کا عجیب نمونہ دکھایا اس کی مثال نہیں ملتی۔ اپنی دو اونٹنیاں، جو پہلے سے ہی سفر ہجرت کے لیے تیار کر رکھی تھیں، ان میں سے ایک اونٹنی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بلا معاوضہ پیش کر دی، مگر نبی کریم ﷺ نے وہ قیمتاً قبول فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پانچ ہزار درہم بھی بطور زاہ راہ ساتھ لے لئے۔ پھر غار ثور میں رسول خدا ﷺ کی مصاحبت کی توفیق پائی، جس کا ذکر قرآن شریف میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔ فرمایا: ''وَثَانِیَ اثۡنَیۡنِ ہٖۤ اِذۡ ہُمَا فِی الۡغَارِ اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (سورۃ التوبہ: 40) یعنی اور دو میں سے ایک کی صورت میں نکال دیا تھا جب کہ وہ اپنے ساتھی (ابوبکرؓ) سے کہہ رہا تھا کہ کسی گذشتہ بھول چوک پر غم نہ کرو، اللہ یقیناً ہمارے ساتھ ہے''۔ سفر ہجرت میں تاجدار عرب کا یہ بے کس سپاہی آپ ﷺ کی حفاظت کی خاطر کبھی آگے آتا تو کبھی دائیں طرف تو کبھی بائیں طرف اور اس طرح اپنے آقا کو بحفاظت یثرت پہنچایا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 2 ص 43)

5۔ ہجرت مدینہ کے دوران ایک واقعہ: اسی سفر ہجرت کا واقعہ ہے، جب حضرت ابوبکرؓ نے ایک مشرک سراقہ کو تعاقب میں آتے دیکھا تو رو پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا: ''اپنی جان کے خوف سے نہیں، آپ ﷺ کی وجہ سے روتا ہوں کہ میرے آقا ﷺ کو کوئی گزند نہ پہنچے''۔

(مسند احمد جلد 1 ص 3 مطبوعہ بیروت)

6۔ حضرت ابوبکرؓ کی مزاج شناسی: حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مزاج شناسی رسول ﷺ اور گہری محبت کا عجب عالم تھا۔ سورہ نصر نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح کے آنے اور فوج در فوج لوگوں کے دین اسلام میں داخل ہونے کا ذکر تھا، رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کی مجلس میں یہ آیات سنائیں۔ یہ سننے پر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ صحابہؓ حیران تھے کہ فتح کی خوشخبری پر رونا کیسا؟ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بصیرت نے ان آیات سے جو مضمون اخذ کیا وہ دوسرے لوگ سمجھ نہ سکے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فراست بھانپ گئی کہ یہ آیات، جن میں رسول اللہ ﷺ کے مشن کی تکمیل کا ذکر ہے، آپ ﷺ کی وفات کی خبر دے رہی ہے، اس لیے اپنے محبوب ﷺ کی جدائی کے غم سے بے اختیار ہو کر رو پڑے اور اس عاشق صادق کا خواب بجا تھا۔ آنحضرت ﷺ اس کے بعد صرف دو سال زندہ رہے۔

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ النصر)

## حضرت عمرؓ سے محبت اور ان کا عشق

1۔ حضرت عمرؓ کا قبول اسلام ہی آنحضور ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا۔ رسول کریم ﷺ حضرت عمرؓ کی خداداد استعدادوں کے باعث بھی ان سے محبت فرماتے اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا کہ: ''بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوتے تھے، جن سے خدا کلام کرتا تھا، مگر وہ نبی نہ تھے، میری امت میں بھی

ایک ایسا فرد 'عمر' ہے''۔ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب عمرؓ)

2۔ حضرت عمرؓ بھی رسول اللہ ﷺ کے سچے عاشق تھے۔ زھرہ بن معبدؓ بیان کرتے ہیں کہ ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ وہ فرط محبت میں کہنے لگے: 'اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ مجھے ہر چیز سے زیادہ پیارے ہیں سوائے میری جان کے'۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کی جان سے بھی زیادہ پیارا نہ ہوں''۔ حضرت عمرؓ نے فوراً عرض کیا: ''اچھا تو خدا کی قسم! آج سے آپ ﷺ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں''۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! کیا آج سے؟''، گویا حضور ﷺ سمجھتے تھے کہ عمرؓ فی الواقعہ دلی طور پر اس اظہار سے پہلے ہی آپ ﷺ کو جان سے عزیز تر جانتے تھے۔ (مسند احمد جلد 4 ص 366 مطبوعہ بیروت)

3۔ حضرت عمرؓ اس محسن رسول ﷺ کے ایسے دیوانے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر فرط غم سے یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ رسول اللہ ﷺ واقعی داغ مفارقت دے گئے ہیں، وہ دیوانہ وار یہ اعلان کررہے تھے کہ ''جس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوگئے ہیں، میں اس کا سر تن سے جدا کردوں گا''۔ یہ کیفیت دراصل حضرت عمرؓ کے رسول اللہ ﷺ سے سچے عشق اور جذباتی تعلق کی آئینہ دار ہے۔ (بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ ووفاتہ: 4097)

## حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے محبت اور ان کا عشق

1۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی اپنی مثال آپ تھی۔ حضرت عثمانؓ کو یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں بیاہ دیں اور فرمایا کہ: ''اگر تیسری بیٹی بھی ہوتی تو وہ بھی عثمانؓ کو بیاہ دیتا''۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ جزء 3 ص 376 دار الاحیاء التراث العربی)

2۔ حضرت علیؓ کے بارہ میں فرمایا: ''علیؓ کا میرے ساتھ تعلق ایسے ہے جیسے ہارون کا موسیٰ سے'' (بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ تبوک وھی غزوۃ العسرۃ: 4063)، ''جسے میرے ساتھ محبت کا تعلق ہے اسے علیؓ سے بھی محبت کا تعلق رکھنا ہوگا''۔ (ترمذی کتاب المناقب علی بن ابی طالبؓ 3664)

3۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی خاطر فدائیت کے نمونے دکھائے۔ حضرت علیؓ نے تو روز اول سے ہی رسول اللہ ﷺ کی تائید و نصرت کی حامی بھری تھی، جب رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے خاندان کے لوگوں سے دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا تھا، اس وقت سب اہل خاندان نے انکار کیا سوائے اس کمسن بچے علیؓ کے جس نے کمزوری کے باوجود مدد کا وعدہ کیا اور پھر زندگی بھر اسے خوب نبھایا۔ ہجرت مدینہ کے وقت حضرت علیؓ نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر رسول اللہ ﷺ کی جگہ آپ ﷺ کے گھر میں ٹھہرنا صدق دل سے قبول کیا۔ (مسند احمد جلد 348 مطبوعہ بیروت)

## امین الامت حضرت ابوعبیدہؓ سے محبت اور ان کا عشق

1۔ امین الامت حضرت ابوعبیدہؓ بھی انہی وفا شعار عشاق میں سے تھے، جن کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ''ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بعد ابوعبیدہؓ مجھے سب سے زیادہ پیارے ہیں''۔ حضرت ابوعبیدہؓ کے عشق رسول کا کڑا امتحان یوں ہوا کہ جنگ احد میں مدمقابل لشکر کفار میں آپ کے بوڑھے والد عامر بھی برسر پیکار تھے، ابوعبیدہؓ ایک بہادر سپاہی کی طرح داد شجاعت دیتے ہوئے میدان کارزار میں آگے بڑھتے چلے جارہے تھے کہ والد سے سامنا ہوگیا، جو کئی بار تاک کر آپ کو نشانہ بنانے کی کوشش کرچکا تھا، ذرا سوچئے تو وہ کتنا کٹھن اور جذباتی مرحلہ ہوگا کہ ایک طرف باپ ہے اور دوسری طرف خدا اور اس کے رسول ﷺ ہیں، جن کے خلاف باپ تلوار سونت کر نکلا ہے، مگر دنیا نے دیکھا کہ ابوعبیدہؓ جیسے قوی اور امین کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی کہ خدا کی خاطر ان کی سونتی ہوئی شمشیر برہنہ نہیں رکے گی جب تک دشمنان رسول ﷺ کا قلع قمع نہ کرلے، خواہ مدمقابل وہ باپ ہی کیوں نہ ہو۔ اگلے لمحے میدان بدر میں ابوعبیدہؓ کا مشرک والد عامر اپنے موحد بیٹے کے ہاتھوں ڈھیر ہوچکا تھا۔ آفرین تجھ پر اے امین الامت آفریں! تو نے کیسی شان سے حق امانت ادا کیا کہ باپ کا مقدس رشتہ بھی اس میں حائل نہ ہوسکا۔ اسی تاریخی موقع پر سورۃ المجادلہ کی آیت 23: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ .... یعنی تو ایسی کوئی قوم نہ پائے گا، جو اللہ اور یوم آخر پر بھی ایمان لاتی ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی شدید مخالفت کرنے والے سے بھی محبت رکھتی ہو خواہ ایسے لوگ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا ان کے خاندان میں سے ہوں... اتری، جس میں اللہ تعالیٰ ایسے کامل الایمان مومنوں کی تعریف کرتا ہے جو خدا کی خاطر اپنی رشتہ داریاں بھی قربان کردیتے ہیں۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جز4 ص11 مطبوعہ بیروت)

2 ۔ غزوہ اُحد میں حضرت ابوعبیدہؓ کی محبت رسول ﷺ کا ایک واقعہ حضرت ابوبکرؓ یوں بیان کرتے ہیں کہ: ''اُحد میں سنگباری کے نتیجہ میں آنحضور ﷺ کے خود کی دونوں کڑیاں جب آپ ﷺ کے رخساروں میں دھنس گئیں تو رسول کریم ﷺ کی مدد کے لیے آپ ﷺ کی طرف لپکا؛ میں نے دیکھا کہ سامنے کی طرف سے بھی ایک شخص دوڑا چلا آ رہا ہے۔ میں نے دل میں دعا کی کہ خدا کرے اس نازک وقت میں یہ شخص میری مدد اور نصرت کا موجب ہو۔ دیکھا تو وہ ابوعبیدہؓ تھے جو مجھ سے پہلے حضور ﷺ تک پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے صورتحال کا جائزہ لے کر کمال فدائیت کے جذبہ سے مجھے خدا کا واسطہ دے کر کہا کہ ''حضور ﷺ کے رخساروں سے یہ لوہے کی شکستہ کڑیاں مجھے نکالنے دیں''؛ پھر انہوں نے پہلے ایک کڑی کو دانتوں سے پکڑا اور پوری قوت سے کھینچا تو یہ باہر نکل آئی، مگر ابوعبیدہؓ خود پیٹھ کے بل پیچھے جا گرے، ساتھ ہی ان کا دانت بھی باہر آ رہا۔ پھر انہوں نے دوسرے رخسار سے کڑی اسی طرح ہمت سے کھینچی تو اس کے نکلنے کے ساتھ ہی آپ ﷺ کا دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا اور آپ دوبارہ گرے، مگر آنحضرت ﷺ کو ایک اذیت سے نجات دینے میں کامیاب ہوئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا''۔ (الطبقات الکبریٰ ابن سعد جلد3 ص410 مطبوعہ بیروت)

## حضرت جعفرؓ سے محبت اور ان کا عشق

1 ۔ حضرت جعفرؓ رسول کریم ﷺ کے عاشق صادق تھے۔ ایک موقع پر حضرت محمد ﷺ کے بہت ہی پیاروں حضرت زیدؓ، حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ کے مابین یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ حضور ﷺ کو زیادہ پیار کس سے ہے؟ حضور ﷺ سے جب پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے انتہائی کمال شفقت سے سب پیاروں سے کمال دلداری فرمائی کہ سب ہی آپ ﷺ کو محبوب ہیں۔ حضرت جعفرؓ سے فرمایا: ''اے جعفرؓ! تو تو خلق و خلق اور صورت و سیرت میں میرے سب سے زیادہ مشابہ اور قریب ہے''۔ (مسند احمد جلد5 مطبوعہ مصر)

2۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ اظہار محبت سن کر بے محابا حضرت جعفرؓ پر پیار آتا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے غزوہ موتہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ کی بیوی اسماءؓ کا بیان ہے کہ ''حضور ﷺ اس موقع پر ہمارے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا: ''جعفرؓ کے بچوں کو میرے پاس لاؤ؟، پیار کیا، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو امڈ آئے''۔ میں نے عرض کیا: 'میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! آپ ﷺ کیوں روتے ہیں؟ کیا جعفرؓ کے بارہ میں کوئی خبر ہے؟' فرمایا: ''ہاں، وہ راہ مولیٰ میں شہید ہوئے ہیں''۔ اب جعفرؓ شہید راہ حق رسول اللہ ﷺ کو اور زیادہ محبوب ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے اہل خانہ کو ہدایت فرمائی کہ ''جعفرؓ کے گھر والوں کا خیال رکھیں، انہیں کھانا وغیرہ بھجوائیں''۔ (مسند احمد جلد6، ص372 مطبوعہ بیروت)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے محبت اور ان کا عشق: 1۔ بعض صحابہؓ سے عشق رسول ﷺ کے ایسے مناظر بھی دیکھے گئے کہ دوسرے صحابہؓ کو ان پر رشک آتا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ''میں نے بدر کے موقع پر مقداد بن الاسودؓ سے ایسا نظارہ دیکھا کہ (میرا دل کرتا ہے کہ) کاش ان کی جگہ میں ہوتا اور جو سعادت مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب لگتی ہے، وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ بدر کے موقع پر مشرکوں کے خلاف مسلمانوں کو تحریک جنگ فرما رہے تھے تو مقدادؓ نے کہا: 'یا رسول اللہ ﷺ ہم قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو، بلکہ ہم آپ ﷺ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی، آپ ﷺ کے آگے بھی لڑیں اور پیچھے بھی، اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں آپ ﷺ کی جان ہے، اگر آپ ﷺ سواریوں کو برک الغماد مقام تک بھی لے جائیں تو ہم آپ ﷺ کی پیروی کریں گے'۔ (بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ اذ تستغیثون: 3658)

2 ۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ: ''میں نے دیکھا کہ مقدادؓ کی تقریر سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ کھل کر چمک اٹھا اور اس بات نے حضور ﷺ کو بہت خوش کیا''۔

☆ حضرت ابوطلحہؓ سے محبت اور ان کا عشق: ۔1: ۔ حضرت ابوطلحہؓ بھی ان خوش نصیب صحابہؓ میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی محبت سے حصہ پایا۔ رسول اللہ ﷺ بے تکلفی سے ان کے گھر اور کبھی باغ میں بھی تشریف لے جاتے، ان کے بچوں سے محبت کا سلوک فرماتے۔ حضرت ابوطلحہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے تبرکات (کچھ بال اور ایک پیالہ) بڑی محبت سے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے، آپ کو رسول کریم ﷺ سے والہانہ عشق تھا۔ (الطبقات الکبریٰ ابن سعد جلد 3 ص505 مطبوعہ بیروت) 2۔ غزوہ احد میں جب کفار نے دوبارہ حملہ کیا تو جن صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حصار میں لے کر جان کی بازی لگا کر آپ ﷺ کی حفاظت کی ہے، ان میں ابوطلحہؓ کا نمایاں مقام تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ آپ کو تیر پکڑاتے اور سر اٹھا کر دیکھنا چاہتے کہ کہاں پڑا، ابوطلحہؓ عرض کرتے: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ سر اٹھا کر نہ جھانکیے، کہیں آپ ﷺ کو کوئی تیر نہ لگ جائے، میرا سینہ آپ ﷺ کے سینہ کے آگے سینہ سپر ہے''۔ (بخاری کتاب المغازی باب غزوہ احد)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ ھَمِّہٖ وَ حُزْنِہٖ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃ

# آوارگانِ دشتِ خار (قسط 30)

جہاں عصرِ حاضر کے مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر ہر اُس مسلمان کا دِل خُون کے آنسو رو رہا ہے جس کے بدن میں اللہ اور اُس کے رسول کی محبت خُون کی طرح دوڑ رہی ہے وہاں علماءِ سُوء جو اُمّت مسلمہ کو اِس نہایت دردناک صورت حال سے دوچار کرنے والے ہیں نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اصلاحِ اُمّت کے نام پر فرقہ بازی اور تکفیر بازی کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ کے نام پر خُون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ اِن اسلام کے جھوٹے ٹھیکیداروں کی بے لگام تحریروں اور تقریروں نے جہاں کلمہ طیّبہ پڑھنے والوں کو کُفر کی بھٹی میں جھونک دیا ہے وہیں ایک دوسرے کے خُون کے پیاسے بھی بنا دیا ہے۔ کل تک یہ فرقہ بازی کے مقابلے مولانا لوگ اپنی اپنی مسجدوں میں کیا کرتے تھے یا موٹی موٹی کتابیں تحریر کی جاتی تھیں جو کُفر کے فتوں، بُرے الفاظ اور اخلاقی گراوٹ کا شاہکار ہوتی تھیں۔ اب یہ کارِ گناہ اسلام کے نام پر بنائے جانے والے ٹی وی چینلز پر بھی ہو رہا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا ان نام نہاد مولویوں کا جو اُمتِ مسلمہ کو گُھن کی طرح کھا رہے ہیں۔ جو جُبے اور دستار میں ملبوس عالموں کے بھیس میں عامتہ الناس کو گُمراہ کر رہے ہیں کبھی فرقوں کے نام پر، کبھی عقیدوں کے نام پر اور کبھی سیاست کے نام پر۔ اور آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن مذہبی جنونیوں کا جو اپنی پسند کا اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں تا کہ انسانوں کی گردنیں مذہب کے نام پر کاٹی جا سکیں۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد اُن عوامل اور مذہبی جنونیوں کے چہرے سے نقاب اُٹھانا ہے جنکی تفسیروں اور تقریروں نے اُمّتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور جن کی تفرقہ بازیوں نے کلمہ گو مسلمانوں کی اخوت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن نام نہاد علماء کا، پیروں کا اور اُن نام کے مسلمانوں کا جو بد دیانتی اور ناانصافی کرتے ہیں اور دم بھرتے ہیں اسلام کا۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد قطعاً کسی کا دل دکھانا مقصود نہیں ہے، صرف اور صرف اصلاح احوال کے لیے کوشش کرنا ہے۔

## جہالت اور تعصب کا پردہ

مشہور دانشور باروخ اسپینوزا اپنی ''کتاب علم الاخلاق'' کے ضمیمہ میں ہادیان طریقت کے متعلق لکھتے ہیں۔

''یہ مقدس طبقہ علی العموم ان لوگوں کو جو بحیثیت فلاسفہ معجزات کی علت یا مظاہر فطرت کو سمجھنا چاہتے ہیں اور بیوقوفوں کی طرح ان باتوں پر متحیر رہنے کو کافی نہیں جانتے، کافر، ملحد اور بے دین قرار دے دیتا ہے۔ اور یہ طبقہ ان افراد پر مشتمل ہے جنہیں عوام دیوتاؤں اور کائنات کے اسرار کا عامل سمجھتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر عوام الناس کی آنکھوں سے جہالت اور تعصب کا پردہ دور ہو جائے تو پھر ہم ان پر حکومت نہیں کر سکتے۔''

## اسلام کے جھنڈے کے نیچے

سابق صدر پاکستان جنرل ایوب خان لکھتے ہیں:۔

جب ۲۰۱۹ء میں ایک عالم صاحب مانسہرہ سے میرے والد صاحب کو ملنے آئے تو کہنے لگے:۔

''ہندوستان دارالحرب ہے اس کے حکمران کافر ہیں، اس لیے ہم کو اس ملک سے ہجرت کر جانا چاہیے۔''

میرے والد صاحب نے جواب میں کہا:۔

''مولوی صاحب میری یہ بڑی آرزو ہے کہ میں اسلام کے جھنڈے کے نیچے جان دوں، لیکن وہ جھنڈا ہے کہاں؟ آج کوئی ایسا اسلامی ملک نہیں جو آزاد ہو سب مغربی طاقتوں کی ہوس ملک گیری کا شکار ہیں۔''

(ایوب خان سوانح حیات۔ جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی)

## سب سے بڑا تفرقہ

اسی کتاب کے دیباچہ میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان لکھتے ہیں:۔

''ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا واحد مقصد یہ رہا ہے کہ پاکستان کے عوام اپنے مذہب اور نظریۂ حیات کی روشنی میں متحد ہو جائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ نظریۂ حیات کبھی نہ بدلنے والے چند اصولوں پر مبنی ہے: خدا کی وحدت، انسانی مساوات و اخوت، زندگی کے اعلیٰ مدارج ترقی کا حصول اور اسلام کے بنیادی اصول وضوابط کی پابندی۔ ہمارے معاشرے میں طرح طرح کے تفرقے پڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا تفرقہ وہ ہے جو جدید تعلیم یافتہ طبقوں کو قدامت پسند گروہوں سے جدا کرتا ہے۔ ان دونوں فرقوں میں نئے سرے سے مفاہمت اور مواصلت پیدا کرنا ہماری ایک لازمی ضرورت ہے۔ یہ مقصد اسلامی اصول و عقائد کی صحیح ترجمانی اور مسائل حاضرہ پر ان کے اطلاق سے ہو سکتا ہے۔ جب تک ایسا نہ ہوگا ان

کے درمیان خلیج وسیع تر ہوتی چلی جائے گی۔انجام کار روائتی گروہ، جدید تعلیم یافتہ طبقے سے بالکل جدا ہو جائیں گے اور مئوخر الذکر طبقہ اسلام سے بیگانہ ہو کر رہ جائے گا۔''

## جنرل یحییٰ خان اور میاں طفیل محمد

پاکستان میں جنرل یحییٰ خان کے مارشل لاء کے دَور میں جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد صاحب جنرل یحییٰ خان کی تعریف میں اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے کہا کہ'' مجھے قوی امید ہے کہ اسلامی نظام حکومت کا جو سلسلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے منقطع ہوا تھا اس کی بحالی کا آغاز انشاء اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشقوں میں سے ایک شخص کے ہاتھوں پاکستان کی سرزمین سے ہوگا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ یحییٰ صاحب کو عزم، ہمت اور اس اخلاص کے ساتھ پاکستان میں اسلامی جمہوری نظام بحال کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔''

(ایشیا 14 دسمبر 1968ء صفحہ 18)

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ گویا میاں طفیل محمد صاحب کے نزدیک یحییٰ خان صاحب اُس سلسلہ کو بحال کرنے جا رہے تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے منقطع ہوا تھا۔ چنانچہ اس طرح جماعت اسلامی نے دورِ آمریت میں حکمرانوں کی ہمدردیاں حاصل کیں۔

## مولوی بغیر مرغ ادھورا ادھورا!

جناب مراد علی شاہد اپنے ایک کالم'' گرم انڈے سے گندے انڈے تک'' میں لکھتے ہیں:۔

'' آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ مرغ، مرغی اور مولوی ایک ایسی تثلیث ہے جس کا ہر کونہ کونہ ثانی کا مرہون منت ہے۔

یعنی مرغ بغیر مرغی بے معنی اور مولوی بغیر مرغ ادھورا ادھورا۔ مولانا صاحب تو مرغ مسلم پر ''ختم'' دیتے وقت بھی اسے پلیٹ کو ایسی اوچھی نظروں سے دیکھتے ہیں جیسے مرغی دیکھ کر مرغا ''لمحہ مخصوص'' میں ناچتا اور ''پیلیں'' ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ مذکور دونوں میں ایک اور قدرِ مشترک یہ بھی ہے کہ صبح تڑکے دونوں ہی اٹھ کر اذان دیتے ہیں۔ اب تو خیر زمانہ ترقی کر گیا ہے ٹائم پیس سے اب تو دیہاتی بھی موبائل فون پہ منتقل ہو گئے ہیں مگر پچھلے زمانوں میں لوگ مرغ اور مولوی کو صرف اس لئے رکھتے تھے کہ پو پھٹنے سے قبل انہیں اٹھائے گا کون؟ مرغ اور مولوی پہ از منہ قدیم سے ہی لوگوں کا اعتقاد راسخ ہے کہ اگر مذکور دونوں شب نصف بھی صدا لگا دیں تو سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف عمل ہو جائیں گے کہ صبح ہو چکی ہے، مرغوں کا تو پتہ نہیں مولانا حضرات کئی بار عشق زمانہ یا ''زنانہ'' کے چکر میں اذان قبل از وقت دے کر ضرور شب نصف میں نصف النہار کے مزے لوٹنے کے چکر میں رفو چکر ہو گئے ہوتے ہیں۔

ویسے یہ بات طے شدہ ہے کہ جیسے مرغی کے انڈے کی اصل جگہ پلیٹ ہوتی ہے ایسے ہی مرغ کا اصل مقام مولانا کا پیٹ ہوتا ہے۔ مزید برآں اگر آپ کو کبھی غور کرنے کا موقع ملا ہو تو مشاہدہ کیجئے گا کہ مرغ کا گلہ اور مولانا کے پیٹ کی وجہ مماثلت دونوں کا استطاعت سے کئی گنا بڑا ہونا ہے، بلکہ مرغ کا کئی گنا اور مولانا کا کئی ''گناہ'' بڑا پیٹ ہونا ہے۔ مرغ اپنے منہنی سے گلے سے کئی گنا زیادہ آواز نکال کر پورے گاؤں کی سحر خیزی کا باعث بنتا ہے جبکہ مولانا صاحب اسی مرغے کی خاطر اپنی استطاعت سے کہیں بڑھ کر اپنی توند بڑھانے کی پریکٹس کرتا ہے کہ جس پیٹ میں چند بوٹیوں کی گنجائش ہوتی ہے محض اس مرغ مسلم کی خاطر فٹ بھر کو مرلہ بھر کر لیتا ہے، اسی لئے مولانا صاحب پیچھے سے کمر کم کمرہ زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔

اور جب مرغ خوری فرما چکے ہوں تو ایسی حالت میں ان کی نہ آنکھیں کام کرتی ہیں نہ ذہن۔ بلکہ مرغ مسلم ڈکارنے کے بعد تو پاؤں بھر چلنے کے لئے بھی پاؤں کام نہیں کرتے۔ شائد اسی لئے سیانے کہتے ہیں کہ مرغ، مولوی اور پولیس کے رزق کی فکر خدا بھی نہیں کرتا کہ یہ اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی صلاحیت سے ''مالا مال'' ہیں۔'' (مراد علی شاہد پیر 31 دسمبر 2018ء بشکریہ ہم سب۔ گرم انڈے سے گندے انڈے تک)

## بلاتبصرہ

رموزفلکیات — حبیبیات

### طغری

تسمیہ وکلمہ طیبہ، بصورتِ کلاشنکوف

## میرے پاؤں پکڑ لیے!!

عبداللطیف خالد چیمہ صاحب ویب مجلس احرار اسلام پاکستان میں اپنے مضمون ''یومِ ختم نبوت کی غیر معمولی پذیرائی!'' میں لکھتے ہیں:۔

اس واقعے کے راوی کہنہ مشق صحافی جناب جلیس سلاسل ہیں جنہوں نے 1975ء میں ''جنگ'' گروپ میں محمود شام کی زیرصدارت شائع ہونے والے ہفت روزہ ''اخبار جہاں'' کراچی کے لئے آغا شورش کاشمیری مرحوم سے انٹرویو لیا جو ٹائٹل سٹوری کے طور پر شائع ہوا، یہ انٹرویو شورش مرحوم کی زندگی کا آخری انٹرویو تھا، اس انٹرویو کا ایک اہم اقتباس ملاحظہ فرمائیں:۔

''انہی دنوں آغا شورش کاشمیری نے وزیر اعظم بھٹو سے طویل ملاقات کی تو ایسی اثر انگیز انداز میں تقریر کی کہ بھٹو کو کہنا پڑا کہ ''شورش کاشمیری نے میرا دوٹوک جواب سننے کے باوجود قادیانیوں کے مذہبی معتقدات میرے سامنے اس طرح رکھے جن کے مطابق امت کا ہر فرد حتی کہ خود میں اور میرے ماں باپ بھی کافر نظر آنے لگے تھے''۔

مجھے قادیانیوں کی کتابیں دیکھ کر بڑا غصہ آیا۔۔۔کم از کم میں تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ قادیانی امام حسن، امام حسین، حضرت علی) رضی ا؟ عنہم (اور میرے ماں باپ کو کافر سمجھیں۔لیکن جب میں نے اپنے غصہ پر قابو پا کر شورش کاشمیری سے کہا یہ تو درست ہے کہ قادیانی امت کے ہر چھوٹے بڑے رکن کو کافر سمجھتے ہیں لیکن ان کے عقائد کے بارے میں کیا کر سکتا ہوں یہ تو علماء کرام کا کام ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی تبلیغ کے ذریعہ ان عقائد سے تائب کریں اور جو وقت وہ تحریکیں چلانے میں صرف کرتے ہیں قادیانیوں کے خلاف تبلیغ میں صرف کریں۔حکومت ان کی ہر طرح مدد کرنے کو تیار ہے۔شورش کاشمیری نے میرے اس جواب کے بعد مجھ پر قادیانیوں کی جماعت کی سیاسی حیثیت واضح کی اور 4 گھنٹہ کی گفتگو میں انہوں نے ثابت کیا کہ قادیانی پاکستان کے ازلی دشمن ہیں۔وہ پاکستان میں بیٹھ کر اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ان کی پیشین گوئیاں اور الہامات پاکستان کے خلاف ہیں۔وہ ربوہ میں اپنے مردے امانت کے طور پر دفن کرتے ہیں۔انہوں نے ایک متوازی حکومت قائم کر رکھی ہے۔جس کی فوج، اپنی پولیس، اپنا سیکرٹریٹ اور اپنی ہی وزارت خارجہ و داخلہ ہے۔شورش کاشمیری نے جو کچھ کہا اس پر باحوالہ دلائل دیے سب سے آخر میں اس نے بھی مفتی محمود کی طرح ایک جذباتی مطالبہ کیا۔اس کے مطالبے کو قبول کرنے کے لیے میرے سامنے دلائل کا انبار تھا اور میں نے دل ہی دل میں یہ مسئلہ حل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔لیکن اس موقع پر شورش نے ایسی حرکت کی جس سے میں لرز گیا۔مولوی تاج محمود جوان کے ہمراہ تھے وہ بھی بڑے حیران ہوئے۔شورش نے گفتگو کرتے ہوئے یکا یک اٹھ کر بڑے جذباتی انداز میں میرے پاؤں پکڑ لیے۔میں نے شورش کو اس کی عظمت کا احساس دلاتے ہوئے اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔مگر شورش ہاتھ ملا کر پیچھے ہٹ گیا۔بھٹو صاحب ہمارے پاس کون سی عظمت ہے ایک سو سال سے ہم اپنے آقا و مولیٰ کی عزت وعظمت بحال نہیں کرا سکے۔ہم سے زیادہ ذلیل قوم کسی ملک نے آج تک پیدا نہیں کی ہوگی، ہم اس وقت عزت وعظمت کا تاج سر پر رکھ سکتے ہیں جب قادیانیوں سے محمد عربی ﷺ کی نبوت کا تاج چھین کر سرورِ کونین ﷺ کو راضی کر لیں۔پھر شورش نے روتے ہوئے میرے سامنے اپنی جھولی پھیلا کر کہا۔میں آپ سے اپنے اور آپ کے نبی ﷺ کی ختم المرسلین کی بھیک مانگتا ہوں۔آپ میری زندگی کی تمام نیکیاں اور خدمات لے لیں۔میں اللہ کے حضور خالی ہاتھ چلا جاؤں گا۔مگر اللہ کے لیے اپنے نبی ﷺ کی نبوت کی حفاظت کر دیجئے۔یہ میری جھولی نہیں، فاطمہ بنت محمد ﷺ کی جھولی ہے جس کی جھولی پر قادیانی حملہ آور ہیں''۔اب اس سے زیادہ مجھے سننے کی تاب نہ تھی۔میرے بدن میں ایک جھرجھری سی آئی، میں بھی آخر مسلمان تھا اور اسی نبی ﷺ کا کلمہ پڑھتا تھا۔اس موقع پر شورش نے بات چیت کا رخ جذبات کی طرف موڑ دیا تھا اور میں اپنے مسلمان ہونے کی

حیثیت کے سواسب کچھ بھول گیا تھا، میں نے شورش سے وعدہ کرلیا تھا۔ میں قادیانی مسئلہ ضرور بالضرور حل کروں گا۔ شورش مجھ سے وعدہ لے کر چلا گیا اور میں سوچتا رہا کہ شاید اس شخص نے مجھ پر جادو کیا ہے۔ لیکن مجھ جیسے شخص کو قائل کرنے کے لیے ایک جذباتی ماحول پیدا کرنا صرف شورش کا کام تھا۔ میں اس شخص کی بہت قدر کرتا ہوں''۔

## صفاتی انبیاء!!

اسرار عالم صاحب اپنی کتاب ''دجّال'' میں لکھتے ہیں:۔

''حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت علامہ اقبال نبویانہ نہاد کے حامل تھے۔ چونکہ یہ حضرات قدس ختم نبوت کے بعد تشریف لائے اس لیے منصب کے اعتبار سے تو نبی نہیں تھے لیکن صفات کے لحاظ سے نبی تھے۔۔۔ حضرت مجدد صاحب ''نبی الملوک'' تھے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ''نبی العلماء'' تھے اور حضرت علامہ اقبال '' نبی الخضر م'' تھے۔'' اگلی سطور میں بتاتے ہیں کہ ''ان تینوں کی مسلمانوں نے تکذیب کردی تھی۔''

(دجال از اسرار عالم۔صفحہ ۵۸)

## آدمؑ کی شریعت میں بہن سے نکاح!!

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب سورۃ المائدہ آیت ۳۱ کے تحت آدم کے دو بیٹوں قابیل اور ہابیل کے واقع میں پہلے درج ذیل قصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''خلاصہ قصہ کا یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی پیدا ہوتی اسی طرح دوسرے بطن میں بھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوتی اور ایک بطن کا لڑکا دوسرے بطن کی لڑکی سے اور دوسرے بطن کا لڑکا پہلے بطن کی لڑکی سے بیاہ دیا جاتا۔'' (بحوالہ دجال از اسرار عالم۔صفحہ ۱۹۵)

پھر لکھتے ہیں کہ ''آدم علیہ السلام کی شریعت میں حسب ضرورت وقت یہ افتراق بطون بمنزلہ افتراق نسب کے قرار دیا گیا۔'' مولانا اشرف علی تھانوی صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

''اس تقریر کے بعد علی الاطلاق اس کا قائل ہونا کہ حضرت آدم کی شریعت میں بہن سے نکاح جائز تھا بلکہ بہن سے نکاح میں یہ بھی قید تھی کہ دوسرے بطن سے ہو پس یہ افتراق ایسا تھا جیسا کہ آج کل خالہ کی لڑکی سے نکاح جائز ہے حالانکہ ماں کی لڑکی اور خالہ کی لڑکی میں چنداں فرق نہیں کیونکہ نانی میں یہ دونوں ایک ہو جاتی ہیں کہ دونوں کی ماں اس ایک ہی سے پیدا ہوئی ہیں۔'' (بیان القرآن۔المائدہ ۳۱ حاشیہ)

## پورے نظام کو بلاسٹ کر دیا!!

اسرار عالم لکھتے ہیں کہ اس عاجز کے نزدیک نہ حضرت آدم اور حضرت حوا نے کوئی پھل یا اناج کھایا نہ کوئی ایسا پھل یا اناج کھانے کی ممانعت تھی۔ بلکہ انہوں نے وہ عمل کرلیا جسے موجودہ انسانی معاشرے میں ''جماع'' کہتے ی ہیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے دراصل یہ حکم دیا تھا کہ دیکھو تم دونوں اپنے جسم کے ان دونوں نیچے کے حصوں کو مت ملانا۔۔۔ حضرت آدم اور حضرت حوا کا یہ عمل نہ صرف عمل تھا بلکہ ایسا عمل تھا جس نے الجنتہ کو پورے نظام کو بلاسٹ کر دیا۔ جس طرح بجلی کے دو تاروں کا آپس میں مل جانا۔ اگر دو تار اس بجلی کے قاعدے سے ملیں تو مثبت نتیجہ برآمد ہو اور بلب روشن ہو جائے، لیکن خلاف قاعدہ ملیں تو شارٹ سرکٹ ہو جائے اور دھماکہ ہو جائے۔ الجنتہ میں یہی ہوا ہوگا۔۔۔ اس عمل کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ شعور جنس جاگ گیا۔ اور مزید مقاربت کی خواہش ہونے لگی۔ دونوں کے جسموں کے نیچے کی بندش یا پردہ کا خاتمہ ہو گیا لہٰذا کئی نئے اعمال صادر ہونے لگے مثلاً بول، براز، احتلام، حیض ہونے لگے ۔۔۔ ایسا لگتا ہے کہ حضرت حوا اس یا ان مقاربت سے حاملہ ہو گئیں۔۔۔ جس کے نتیجے میں حضرت آدم اور حضرت حوا زمین پر بھیج دیے گئے۔۔۔ وضع حمل کے کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ قابیل ولادت کے اعتبار سے پہلا ضرور تھا مگر حضرت آدم اور حضرت حوا نے قابیل کو اپنی **جائز اولاد نہیں مانا** بلکہ ایک ایسی ولادت مانا جو ان کی غلطیوں کے نتیجے میں ہوئی تھی۔۔۔ واضح ہو کہ ہابیل کی ولادت زمینی سنت کے مطابق پہلی ولادت تھی اس لیے ہابیل جنتی سنت کے بعد پہلی زمینی جائز (صالح) اولاد تھے۔۔۔ **قابیل اور ہابیل** کے درمیان معرکہ میں ہابیل کے ساتھ حضرت آدم تھے اور قابیل کی قیادت ابلیس کر رہا تھا اور اس کے ساتھ کائنات کے شیاطین ملک، شیاطین جن تھے۔ خیر و شر کا یہ معرکہ خیر کے لیے بڑی تباہی کا باعث ہوا قابیل نے پہلے زمینی آدمی ہابیل کو شہید کر دیا۔ روئے ارض پر نسل آدم کا خاتمہ ہو چکا تھا۔۔۔ پھر اللہ نے حضرت آدم اور حضرت حوا کو ایک بیٹے شیث عطا کیا۔ پھر نسل انسانی کا سلسلہ زمین پر شروع ہو گیا۔ دو دو بچے پیدا ہوتے جن کی دوسرے حمل سے پیدا ہونے والوں سے شادی کر دی جاتی۔۔

(دجال جلد اول۔ از اسرار عالم۔ شائع کردہ ادارہ تحقیقات اردو بازار لاہور۔ طبع اول اگس ۲۰۰۰ء۔ صفحات ۲۶۱ تا ۲۹۰)

مشرقی اُفق

# قائداعظمؒ کا پیغام سیکولر عناصر کے نام!

(تحریر: میر افسر امان، کالمسٹ)

قائداعظمؒ کے یوم پیدائش کے موقعے پر آج ہم نے اپنے کالم میں پاکستان کے اسلامی ہونے کے لیے لمبی تمہید کی بجائے قائداعظمؒ کے بیانات کو پیش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں تا کہ قائداعظمؒ کی روح کو تکلیف پہنچانے والے سیکولر عناصر سوچنے پر مجبور ہوں کہ وہ کتنی غلط باتیں قائدؒ سے منسوب کرتے رہتے ہیں اور ان بیانات کو توڑ مڑو کر غلط سمت کا تعین کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ محترم قائدؒ نے برصغیر میں آزادی کے وقت دوقومی نظریے کی تشریح کرتے ہوئے اعلانیہ کہا تھا یہاں دوقومیں آباد ہیں مسلمان اور ہندو. قائداعظمؒ کا دوقومی نظریہ کیا تھا وہ فرماتے ہیں ''ہندو اور مسلمان دو جدا مذہبی تصورات، سماجی روایات اور ادبیات رکھتی ہیں۔ نہ وہ باہمی شادیاں کرتے ہیں، نہ ایک جگہ کھانا کھاتے ہیں۔ بلاشبہ وہ دو مختلف جداگانہ تہذیبوں سے پیوست ہیں، جس کی بنیاد میں متصادم تصورات اور زاویہ فکر ہیں۔ زندگی سے متعلق اُن کی سوچیں جدا ہیں۔ یہ بلکل واضح امر ہے کہ ہندو اور مسلمان تاریخ کے مختلف ماخذوں سے تحریک لیتے ہیں۔ اُن کی رزمیہ کہانیاں جدا ہیں، اُن کے ہیروز اور داستانیں جدا ہیں۔ عموماً ایک کے ہیرو دوسرے کا ولن ہے اسی طرح اُن کی فتوحات اور شکستیں ایک دوسرے سے گڈمڈ ہیں''۔ کانگریس نے کہا نہیں یہ بات نہیں ہے برصغیر میں ایک قوم آباد ہے ہندستانی قوم۔ اور دلیل دی کی قومیں اُوطان (وطن کی جمع) سے بنتی ہیں یعنی جو ہندوستان میں رہتا ہے وہ ایک قوم ہے۔ اس دلیل پر کانگریسی مسلمان علماء نے بھی کانگریس کا ساتھ دیا تھا۔ مگر عام مسلمان اور علما ان کے ساتھ نہیں تھے۔ اس موقعہ پر مولانا مولانا مودودیؒ نے ایک تاریخی کام کیا اور آفاقی مسلم قومی نظریہ پیش کیا اور کہا مسلمان قومیں اوطان سے نہیں بلکہ نظریہ پر بنتی ہے۔ اسی نظریے کو علامہ اقبالؒ شاعر اسلام اس انداز میں پیش کیا۔

اپنی ملت پہ قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمیؐ

موجودہ دور میں اسی نظریے کی توثیق ہماری افواج کے سابق سپہ سالار جنرل اشفاق پرویز کیانی صاحب نے پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول سے فارغ التحصیل فوجی جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

''پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے۔ اسلام کو پاکستان سے کبھی الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام ہی پاکستان کو متحد رکھنے والی واحد قوت ہے۔ پاک فوج ملک کو حقیقی اسلامی جمہوریہ بنانے کے خواب کی تکمیل کرتی رہے گی۔ جس کا خواب علامہ اقبالؒ نے دیکھا تھا اور قائداعظم نے اس کی تکمیل کی۔''

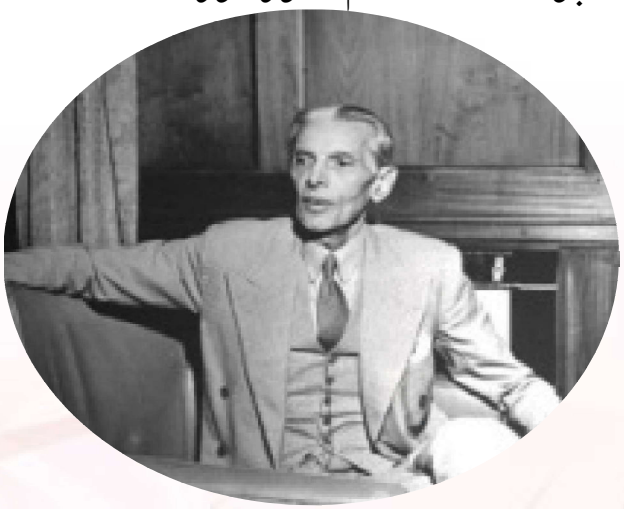

بری فوج کے سربراہ نے ان خیالات کا اظہار ۱۲۷ رویں پی ایم اے لانگ کورس چھیالیسوں انٹیگریٹڈ کورس اور پہلے مجاہد کورس کی پاسنگ آوٹ پریڈ سے بطور مہمان خصوصی برادر اسلامی ملکوں فلسطین، سوڈان اور ترکمانستان کے کیڈٹ بھی شامل ہیں۔ میدان عمل میں جانے والے فوجی افسران سے بری فوج کے سربراہ کا موجودہ خطاب اہمیت رکھتا ہے۔

قیام پاکستان سے پہلے قائدؒ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

''مسلمانو! میں نے بہت کچھ دیکھا ہے۔ دولت، شہرت اور آرام و راحت کے بہت لطف اٹھائے، اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزاد اور سربلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کے میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی اور مسلمانوں کی آزادی، تنظیم اور مدافعت میں اپنا حق ادا کر دیا۔ مے آپ سے اس کی داد اور صلہ کا طلب گار نہیں ہوں میں یہ چاہتا ہوں کہ مرتے

دم میرا اپنا دل، میرا ایمان اور میرا اپنا ضمیر گواہی دے کہ جناح تم نے واقعی مدافعت اسلام کا حق ادا کر دیا اور میرا خدا یہ کہے کہ جناح بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے مسلمان جیئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبہ میں اسلام کے علم کو بلند رکھتے ہوئے مرے"۔ (قیامِ پاکستان سے پہلے ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل سے خطاب)

جب پاکستان قائدؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں بن گیا تو لا الہ الااللّٰہ کی بنیاد پر بننے والے پاکستانی عوام سے محترم قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کو سبی بلوچستان میں دربار سے خطاب میں فرمایا تھا:۔

"ہماری نجات کا واحد ذریعہ ان زرین اصولوں پر مشتمل ضابطہ حیات پر عمل کرنا ہے جو قوانین ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰؐ نے قائم کر دیے ہیں"۔

کیا ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری زندہ جاوید خطبہ حجۃ الوداع، جو انسانی حقوق کا بنیادی چارٹر ہے کے مطابق اپنے ملک میں اقدامات کیے ہیں یقیناً نہیں کیے؟

پاکستان بننے کے بعد پھر ۲۱ فروری ۱۹۴۸ء ملیر کینٹ میں قائداعظمؒ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"اب آپ کو اپنی سرزمین میں اسلامی جمہوریت معاشرتی انصاف اور اسلامی مساوات کے اصولوں کے احیاء اور فروغ کی پاسبانی کرنا ہے اخوت، مساوات اور اتحاد ہمارے دین تمدن اور ثقافت کے بنیادی عنصر ہیں"۔

کیا ہم نے قائدؒ کی متعین کردہ راہ پر عمل کرتے ہوئے پاکستان کی سمت استوار کی ہے؟

اسلام کے شروع دور کے سنہری دور کے متعلق پرانے زمانے کی باتیں کہنے والوں نے قائدؒ کا یہ بیان نہیں پڑھا جو انہوں نے ۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء چٹاگانگ میں فرمایا تھا کہ:۔

"اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا (مقصد حیات) اسلام کے بنیادی اصولوں پر مشتمل جمہوری نوعیت کا ہوگا ان اصولوں کا اطلاق ہماری زندگی پر اسی طرح ہوگا جس طرح تیرہ سو سال قبل ہوا تھا"۔

جھوٹ کی کچھ انتہا ہوتی ہے قائداعظم محمد علی جناحؒ نے پاکستان کی تخلیق کے دوران مختلف موقعوں پر تقریباً ۹۰ تقریریں کی ہیں جو صرف اور صرف پاکستان کو جدید فلاحی اسلامی ریاست بنانے کے حق میں دلیل کے طور پر کی تھیں مگر ان کی گیارہ اگست ۱۹۴۷ء کی ایک تقریر جو انہوں ایک موقعے کی مناسبت سے کی تھی اس کو سہارا بنا کر پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ جبکہ قائداعظمؒ نے اس کے بعد ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو بھی تقریر کی تھی جس نے اسے بے اثر بنا کر رکھ دیا ہے۔ پاکستان دستوری طور پر اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ پاکستان میں عوام کی اکثریت اسلامی طرز زندگی اپنانے کی خواہش رکھتی ہے اس ہی کی وجہ ہے کہ ہر سیاسی پارٹی اپنے منشور میں اسلام کے نفاذ کو شامل کرتے ہیں روشن خیال ہونے کے باوجود پیپلز پارٹی کے قائد ذالفقار علی بھٹو صاحب نے ہی متفقہ اسلامی دستور پر اپوزیشن کے ساتھ مل کر دستخط کئے تھے جو آج بھی رائج ہے۔ کیا ہم نے مدینے کی اسلامی ریاست اور خلفاء راشدین کی طرز حکومت کے مطابق اپنی ریاست کو استوار کیا ہے؟ قارئین! ہم نے قائدؒ کی ۹۰ کے لگ بھگ تقریروں میں سے جو انہوں نے تحریک پاکستان کے دوران میں مختلف موقعوں پر اسلامی پاکستان کے متعلق کی تھیں طوالت کی وجہ سے چند بیان کی ہیں ورنہ پاکستان اور دنیا میں یہ تقریریں کتابوں میں موجود ہیں نہ جانے کیوں سیکولر عناصر کو پاکستان سینڈا واسطے کا کا بیر ہے۔

کچھ بھی ہو یہ ملک پاکستان مثلِ مدینہ اسلام کے نام پر بنا ہے اسلام کے نام ہی قائم رہے گا چاہے سیکولر عناصر کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو یوم پیدائش قائدؒ پر قوم کے نام یہی پیغام کہ ایٹمی پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانا ہے۔ یہ ملک دنیا کے مسلمانوں کا پشتی بان ہے۔ پوری امتہ مسلمہ اس کے لیے دعا گو ہے اللہ ہمارے پاکستان کو محفوظ رکھے آمین۔

☆☆☆

# شعروشاعری

## ''خاک میری زمیں خون میرا وطن''

طاہر احمد بھٹی، جرمنی

خاک میری زمیں ، خون میرا وطن
سربریدہ ہیں لاشیں پڑی بے کفن

خاک میری زمیں خون میرا وطن

میری سرحد پہ پہرا ہے افغان کا
اہل دانش پہ قبضہ ہے شیطان کا
ناگ پھرتے ہیں گلیوں میں پھیلائے پھن

خاک میری زمیں خون میرا وطن

میرے ملاں ہیں لعنت کے پالے ہوئے
میرے عالم جہالت کے ڈھالے ہوئے
لٹ گئی آگہی ، مٹ گئے فکر و فن

خاک میری زمیں، خون میرا وطن

سب وسائل پہ قبضہ وزیروں کا ہے
سارے بینکوں سے رشتہ امیروں کا ہے
میرا ہر ایک لیڈر ہے وعدہ شکن

خاک میری زمیں، خون میرا وطن

آج گروی قلم بے ضمیروں کا ہے
آدمیت پہ حملہ شریروں کا ہے
کوڑھ چھایا تو سب چھپ گیا بانکپن

خاک میری زمیں، خون میرا وطن

کوئی زینب درندوں کی کھائی ہوئی
آسیہ مولوی کی ستائی ہوئی
چار سو بھوک ، افلاس سایہ فگن

خاک میری زمیں، خون میرا وطن

میرے جرنیل پر ڈالروں کے نشاں
میرے اہل حکم ، بے دِلی کی زباں
منہ پہ کالک ملی ، بیچ کھایا وطن

خاک میری زمیں، خون میرا وطن

غیر سارے اثاثوں پہ مالک ہوا
چین ملکی ترقی کا خالق ہوا
سر تا پا قرض میں غرق اس کا بدن

خاک میری زمیں، خون میرا وطن

## ''اے گردشِ ایّام وہ اُلفت کہاں گئی''

منیر باجوہ

سینے میں زخمِ عشق کی لذت کہاں گئی
دلِ بیقرار تیری وہ چاہت کہاں گئی
ڈھونڈے سے آج ملتی نہیں جگ میں کہیں وفا
انسانیت کی عزت و حُرمت کہاں گئی
باد سموم تیرے تھپیڑوں کی تپش سے
گلشن کی مہک پھولوں کی رنگت کہاں گئی
گر ہو گیا ہے عشق تو پشیماں ہو کس لئے
کیوں سوچتے ہو آخر وہ عزت کہاں گئی
ماں باپ کی حیات میں کتنی تھی خوش حیات
اے گردش ایام وہ الفت کہاں گئی
آتا ہے ماضی یاد تو اٹھتی ہے دل سے ہُوک
چشم زدن میں حیف وہ لطافت کہاں گئی
بیتے تھے دن جو کھیل کے میدان میں منیر
اُن یار دلرباؤں کی صحبت کہاں گئی

## ''ابا جی کے نام''

محترمہ نیلم رباب صاحبہ۔لندن

میرے بچپن کی کچھ یادیں
میرے بچپن کے کچھ قصے
میرے سنگ گھومتے ابا
میرا ماتھا چومتے ابا
کبھی وہ دوست بن کر
تو کبھی استاد بن کر
مجھے دنیا سے متعارف کرواتے
یہ دنیا اور اس کے معارف سمجھاتے
کبھی وہ بچوں کی سی باتیں کرتے
تو کبھی اونچی اڑانوں کے قصے سناتے
مجھے ھوائی جہاز کی سیر کراتے
خیالوں کی دنیا میں کہاں سے کہاں لے جاتے
کبھی خواہش جو اٹھتی تو مجھے
ڈاکٹر بنانے کے خواب دکھاتے
کبھی ہنستے تو کبھی مجھے ہنساتے
وقت کب دہلیز سے پھسل گیا
زندگی شعور کی حدوں پہ جا پہنچی
نئے خواب نئی امنگیں آ پہنچی
انکی شفقت میں کمی نہ آئی کبھی
وہ دھیما مزاج شیر دل انسان
میرا باپ میرا مشفق خاص
جب بھی یادوں کے دریچے کھلتے ہیں
دامن دل پہ میرے آنسو بہت گرتے ہیں
انکے ھونٹوں کی ہنسی نرم گفتار
آج بھی کانوں میں میرے گونجتی ھے بار بار
ان میں بجلی کی کڑک تھی
اور چاشنی کا سا سواد بھی
جو بھی ملتا تھا بس ھو جاتا تھا فدا
انکی شاہانہ طبیعت کو سراہتے سب تھے
وقت رخصت غم دل سے کراہتے سب تھے
آج بھی یادوں میں کئی راز چھپے بیٹھے ہیں
انکے الفاظ نازو انداز رکے بیٹھے ہیں
میری ہر چند دعا ھے تو یہی ھے اللہ
قرب خاص میں تو انکو اپنی جگہ دینا
درجے کر دینا بلند اور سکوں سا دینا

## 'مالکِ کل سدا کرتا ہے حفاظت میری''

محترمہ بشارت سکھی صاحبہ

ہو نہ پائے گی عیاں تجھ پہ محبت میری
سیپ میں موتی کے جیسی ہے یہ چاہت میری
خوف مجھ کو نہ عدو سے نہ رقیبوں سے خطر
مالکِ کل سدا کرتا ہے حفاظت میری
میرے رخسار کا تل اس کو حسیں لگتا ہے
چاند سے بڑھ کے اسے لگتی ہے صورت میری
میری ارداس کو سنتا ہی نہیں میرا صنم
پھر بھی پوجا ہے وہی اور عبادت میری
دھول چہرے پہ مصائب کی جمی ایسی سکھی
اب تو پہچانی نہیں جاتی ہے صورت میری

## 'اب ڈھونڈ ایسا یار کہ ہو جائیں سارے کام''

ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

فرصت ملی ہے کب مجھے اب تک پڑے ہیں کام
کیسے کہوں کہ کر دیا سب کچھ ہے اُس کے نام

باقی ہیں وہ جو اوروں کے پُرسانِ حال ہیں
ساقی نے سب عطا کئے ہیں معرفت کے جام
جاؤ خدا کے نور کو حاصل کیا کرو
اس شخص سے جو دل کو منوّر کرے مدام
مہمان بن کے آئے تھے رہنے کو چار دن
اب زندگی کی دیکھئے ہونے لگی ہے شام
رونق جہانِ دل کی فقط تیرے دم سے ہے
تیرے بغیر جاناں یہ دنیا ہے ناتمام
میری سنیں تو رات اندھیرے میں کاٹیے
مشعل کا اس کے ذکر سے ہی کیجے اہتمام
طارق ہیں یوں تو اس جہاں میں آشنا بہت
اب ڈھونڈ ایسا یار کہ ہو جائیں سارے کام

## ''ماں کی گود اور باپ کا سینہ چاہیے''

حسنؔ رانا

ماں کی گود اور باپ کا سینہ چاہیے
پھر مجھے وہ دَور بچپن کا چاہیے
زیرِ سایہ امی ابا کے ہی مجھے
نیند راحت کی ابھی سونا چاہیے
تھک گیا ہوں چلتے چلتے ابا جی سے
اب تو تھوڑی ٹانگیں دبوانا چاہیے
ڈانٹنا اور روٹھنا برا ہے مگر
دِل کو اب ڈانٹ اور منانا چاہیے
اب نجانے دِل یہ میرا چاہے ہے کیوں
پھر ابا کی انگلی تھامنا چاہیے
درد نے دھندلا دی ہیں آنکھیں اب مری
تھوڑا رونا اور بہت ہنسنا چاہیے
ہم نے دیکھے ہیں بہت دنیا کے بھی رنگ
اب مجھے پھر چڑیا گھر جانا چاہیے
یہ ظالم دنیا کما اور پڑھ لی پر اب
ساتھ ابا کے سیر کو جانا چاہیے
اب گھٹن سے ہاں سلگتا ہے یہ بدن
گھر کی چھت ہی پر مجھے سونا چاہیے
ہر کھانا دنیا کا میسر ہے پر مجھے
ہاتھ کا ماں کے بنا کھانا چاہیے
بیٹے دل میرا جوں بہلاتے ہیں ، مجھے
باپ ماں کو یوں ہی بہلانا چاہیے
کھل کے رویا ہی نہیں ہوں مدت سے میں
سر کے رکھنے کو مجھے کندھا چاہیے
رکھتے ہی سر نیند آ جائے گی ، مجھے
گودِ ماں ہی میں ہاں سر رکھنا چاہیے
سچ ہے ماضی کا سفر ناممکن ہی ہے
پھر بھی مجھ کو ماضی میں جانا چاہیے
جن نے دھڑکن دی مرے دِل کو یا خدا
انہی کی دھڑکن مجھے سننا چاہیے
یا رب ان پر سایہ ہو تیرے فضل کا
ان کو تیرا بخش ہی دینا چاہیے
جنتوں میں ہی رہیں سب کے والدین
ہاں حسنؔ بس یہ دُعا کرنا چاہیے

## ''تمہاری یاد سے دل ہم کلام رہتا ہے''

فیض احمد فیضؔ

تمہارے حسن سے رہتی ہے ہمکنار نظر
تمہاری یاد سے دل ہم کلام رہتا ہے
رہی فراغت ہجراں تو ہو رہے گا طے
تمہاری چاہ کا جو جو مقام رہتا ہے

# RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

Give us a call on **020 3674 7909**

## RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

free professional, friendly and confidential advice

**24 Hours Phone Service - 7 Days a Week** DIAL **07792998973**

Have you been injured in an accident that wasn't your fault?

If so, we're here to help

## REPLACEMENT CAR WITHIN 24 HOURS

Loss of earnings - Protection of no claim - storage and recovery - personal injury - replacement car

**Road Accident**

**Personal Injury**

**Accident at Work**

**Fall, Slip & Trip**

Personal Injury Specialist

No win No fee

2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey
Opening Hours: Mon-Fri 10:00 - 17:00
Tel. 020 3674 7909 Mob. 077 9299 8973
Email: info@rhacs.co.uk

# ایاز اکیڈمی یو کے کی جانب سے

## ایک شام اور مشاعرہ

## رانا عبد الرزاق خان صاحب کے نام

ایاز اکیڈمی لندن کے زیر اہتمام معروف ادیب، کالم نگار، چھ کتابوں کے مصنف، تین عدد ادبی رسالوں کے ایڈیٹر، شاعر اور برطانیہ میں سینکڑوں مشاعروں کا انعقاد کرنے

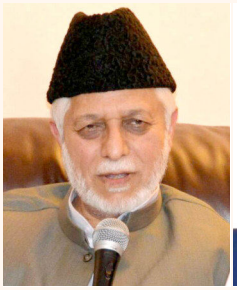

والے مکرم و محترم رانا عبد الرزاق خان کے اعزاز میں ایک ادبی شام اور مشاعرہ منعقد کیا جا رہا ہے۔ جس میں محترم رانا عبد الرزاق خان صاحب کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں ایاز اکیڈمی ایوارڈ سے نوازا جائے گا۔

تقریب میں برطانیہ کے معروف شاعر اور ادیب شامل ہوں گے۔

مکرم ڈاکٹر سرافتخار ایاز صاحب۔ مکرم و محترم امام عطاء المجیب راشد صاحب کی شرکت متوقع ہے۔

خزاں کی رُت میں گلاب لہجہ بنا کے رکھنا کمال یہ ہے ہوا کی زَد پہ دیا جلانا جلا کے رکھنا کمال یہ ہے

جیسے لازوال شعر کے خالق مکرم مبارک صدیقی صاحب سے بھی شرکت کی درخواست کی گئی ہے۔ آپ کو شرکت کی دعوت دی جا رہی ہے۔

## 5 فروری بروز اتوار شام 4 بجے بمقام: بیت الاحسان مچم، یو کے

## 25 WILLOW LANE CR4 4TS

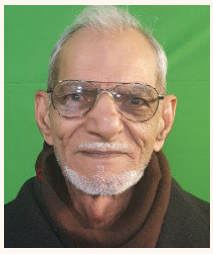

## چشم براہ

امجد مرزا امجد، عطاء القادر طاہر۔ پروفیسر عبد القدیر کوکب۔ رانا محمد حسن ایڈیٹر پیشوا، شائق نصیر پوری۔